میدان عمل کی سوغات

یادوں کے دریچے

منور احمد خورشید، مربی سلسلہ

میدانِ عمل کی سوغات

مصنف:

منور احمد خورشید۔ مربی سلسلہ

نام کتاب	:	یادوں کے دریچے
مصنف	:	منور احمد خورشید
سن اشاعت	:	2021
تعداد	:	300
سیٹنگ بک	:	کرشن احمد قادیان

krishanamad2@gmail.com

YADON KE DRECHE

Written By:

Munawar Ahmad Khursheed

L O N D O N

انتساب

خاکسار اپنی اس کاوش کو اپنے مرحوم والدین کے نام سے منسوب کرتا ہے۔جن کی دعاؤں کی برکت سے ہمیں اس خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

اللھم ارحمھما کما ربیانی صغیرا

تعارف مصنف

نام: منور احمد خورشید۔ تاریخ پیدائش: 1950ء ابتدائی تعلیم: مڈل، فتحپور اسکول ضلع گجرات۔ میٹرک مسلم ہائی سکول گجرات۔ 1975ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد کی ڈگری پاس کی اور پاکستان میں قلعہ کالروالا تحصیل پسرور، ضلع سیالکوٹ.... کھاریاں ضلع گجرات.... میانوالی شہر۔ مقامات پر بطور مربی سلسلہ خدمت کی توفیق ملی۔

* 1983ء میں گیمبیا میں بطور مبلغ آمد اور مختلف عہدوں پر خدمات۔
* ناصر احمدیہ سینئر سیکنڈری ہائی سکول میں عرصہ 2 سال بطور ٹیچر تقرر۔
* 1985ء میں نگران مشن سینیگال کیلئے تقرر۔
* 1994ء میں گیمبیا، سینیگال، گنیبساو، موریتانیہ اور کیپ ورڈ میں بطور امیر تقرر۔
* 2005ء تا 2012ء حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد پر بیماری کے باعث لندن میں قیام اور لندن سے سینیگال کیلئے خدمت کی توفیق پائی۔
* 2008ء تا 2012ء جامعہ احمدیہ انگلستان میں بطور استاد تقرر رہا۔

فہرست

پیش لفظ

حیات رفتہ ،نشیب وفراز کا ایک مجموعہ ہے۔اس میں سے کچھ واقعات و مشاہدات کوعاجز نے صفحہ قرطاس کی زینت بنانے کی ایک سعی لاحاصل کی ہے۔شاید کسی کو زندگی کے کسی موڑ پران سے کوئی سبق مل جائے۔انسانی زندگی ایک بڑا حادثہ ہے،جس کے نتیجہ میں روزانہ ان گنت دیگر حادثات جنم لیتے ہیں۔جن میں بیشتر جلد ہی آنکھ اوجھل پہاڑاوجھل کے مصداق پس پردہ چلے جاتے ہیں،لیکن کچھ واقعات وحادثات ایسے بھی ہوتے ہیں جودل ودماغ میں ایسی جگہ بنالیتے ہیں کہ جتنا بھولنے کی سعی کریں اتنے ہی ابھر کرسامنے آتے ہیں۔

ایک دفعہ میرے ایک دوست اپنے ایک پروفیسر صاحب کوکہیں ملے۔سلام عرض کی۔پروفیسر صاحب نے تعارف پوچھا۔طالبعلم نے کہا سرآپ نے مجھے پہچانا نہیں۔میں توآپ کا شاگرد ہوں۔فلاں سال میں آپ کی کلاس میں تھا۔

پروفیسر صاحب نے فرمایا۔تم یہ بتاؤ،کیاتم کبھی کلاس میں اوّل دوم آئے ہو۔ طالبعلم نے جواب دیانہیں سر۔پروفیسر صاحب نے پھر پوچھا،کیا کبھی کھیلوں میں نمایاں کردارادا کیا ہے۔اس نے کہانہیں سر، پھر کہا،کیا کبھی شرارتوں میں نمایاں تھے۔طالبعلم نے جواب دیا۔نہیں جناب۔اس پر پروفیسر صاحب نے کہا۔دیکھو برخوردار۔سٹیج پر کام کرنے والوں کوتو سب جانتے ہیں،لیکن سٹیج پرکام کرنے والے مخاطبین میں سوائے نمایاں افراد کے کسی کونہیں جانتے۔یہی کیفیت ہماری زندگی کے نشیب وفراز میں پیش آنے والے

واقعات پر صادر آتی ہے۔اس طرح ایسے واقعات ہمارے دماغوں میں زندہ رہ جاتے ہیں جن کی ہمارے دل ودماغ میں کوئی ہمارے نزدیک کوئی خاص اہمیت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ خاکسار سینیگال میں ایک معلم صاحب کے ہمراہ ایک دورافتادہ چند گھرانوں پر مشتمل گاؤں میں گیا۔وہاں ان کے بزرگ جو گاؤں کے امام بھی تھی۔ان کا رہن سہن بہت ہی سادہ تھا۔ان سے ملاقات ہوئی۔علیک سلیک کے بعد کچھ بات چیت ہوئی۔بہت خوش ہوئے۔کہنے لگے میں نے تو آپ کی فوٹو لے لی ہے۔اب میں تو آپ کو نہیں بھولوں گا۔میں ان کی بات پر بڑا حیران ہوا۔انہوں نے فوٹو کب اور کیسے لے لی ہے۔کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے جو کیمرہ میری آنکھوں میں نصب کیا ہوا ہے۔اس کے زریعہ سے میں نے فوٹو لے کر اپنے دماغ میں محفوظ کر لی ہے۔میں آج تک اس بہت ہی سادہ لوح انسان کی سوچ پر حیران ہوں۔کس قدر سچی اور گہری بات کی۔بظاہر یہ ایک سادہ سا واقعہ ہے لیکن آج تک میرے دل ودماغ پر نقش ہے۔

اللہ کرے میری یہ کاوش کسی کے کام آسکے۔آمین

زندگی اک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں

منوراحمد خورشید
واقف زندگی

تبصرہ بر کتاب یادوں کے دریچے

مصنف کتاب ہذا جناب منور احمد خورشید نے اپنے آبائی گاؤں فتح پور ضلع گجرات پاکستان کا تعارف کرواتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ہمارے گاؤں کے قریب ایک ندی بہتی تھی جس کا پانی اتنا شفاف تھا کہ اس میں سورج منعکس ہو کر نظر آتا تھا۔ اس مادی ندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک روحانی ندی بھی جاری کی۔ جس کا مبداء حضرت سید محمود احمد شاہ تھے۔ جنہوں نے قادیان جا کر حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس روحانی ندی سے ایک رستہ (راجباہ) حضرت میاں عبدالکریم تھے۔ جن کے نسل کے ایک چشم و چراغ مکرم مولانا منور احمد خورشید مصنف ''یادوں کے دریچے'' ہیں جو اپنے نام ''خورشید'' کے حوالہ سے جماعت احمدیہ کی بہتی چھالیں مارتی ندی میں منعکس ہو کر ''منور'' بن کر دُنیا بھر میں احمدیت کا نور پھیلانے کا مؤجب بنے۔

مکرم خورشید صاحب نے اپنی یہ کتاب دو دفعہ مجھے بجھوائی۔ پہلی دفعہ نام تجویز کرنے کے لئے اور دوسری بار تبصرہ اور رائے دینے کے لئے۔ خاکسار نے ہر دو بار اس کتاب کو جستہ جستہ اور پھر تفصیل سے پڑھا۔ واقعتاً یہ کتاب یادوں کے دریچے کا حق ادا کر رہی ہے کیونکہ اس کتاب کو پڑھ کر دو باتیں فوراً ذہن میں ابھرتی ہیں۔ اوّل یا تو مولانا منور احمد خورشید کا حافظہ بلا کا ہے کہ زندگی میں بیتے واقعات کو ایسے حسین انداز میں یکجا کیا ہے کہ رشک آتا ہے۔ اور یا مولانا خورشید کو ڈائری لکھنے کی ایسی پختہ عادت ہے جو ایک مربّی کا حسن ہے۔ خلفاء بھی گاہے بگاہے مبلغین و مربّیان کو ڈائری لکھنے کی طرف توجہ

دلاتے رہے ہیں۔ جو مربیان کو اپنی سمت درست کرنے اور کوتاہیوں و کمزوریوں پر قابو پانے کے کام آتی ہے۔ لاریب مکرم خورشید صاحب کا یہ کام باقی مربیان کے لئے ہے۔
LAND MARK

کتاب ہذا ''یادوں کے دریچے'' اخبار الفضل انٹرنیشنل آن لائن میں، دبستان حیات، کے نام سے پانچ فروری ۲۰۲۱ سے اپریل ۲۰۲۱ تک گیارہ اقساط میں مکمل طبع ہو چکی ہے الحمدللہ۔

موصوف اس سے قبل ''ارض بلال'' کے نام سے اپنی کتاب میں افریقہ میں اپنی یادوں کو جمع کر چکے ہیں۔ اور ۴۰۰ صفحات پر مشتمل اس ضخیم کتاب میں پاکستان میں میدان عمل کی یادیں اور افریقہ کی ایمان افروز یادوں کو یکجا کیا ہے۔ یہ یادیں ایک قاری کے لئے ایمان وعلوم کو بڑھانے کا مؤجب ہوں گی۔ قادیان سے ایک آواز اللہ، اس کے رسول وقرآن کے نام کو بلند کرنے کے لئے جاری ہوئی اور ۱۳۰ سالوں میں یہ آواز ۲۰ کروڑ سے زائد آوازوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان میں سے تیس ممالک میں بسنے والے احمدیوں کی ایمان افروز داستانیں اس کتاب کا حصہ ہیں۔ موصوف نے قرآنی آیات، احادیث، محاوروں اور اشعار کا استعمال بطور عنوان بہت برمحل اور باموقع کیا ہے۔ نیز سبق آموز کہاوتوں اور کہانیوں کا اپنے ساتھ بیتے واقعات میں ایڈجسٹ کرنا موصوف کا ہی خاصہ معلوم ہوتا ہے۔

میں نے اپنی رائے کے لئے ایمان کو جلا بخشنے والے بہت سے واقعات قارئین کے لئے اس کتاب سے نوٹ کئے تھے۔ مگر طوالت کے باعث ان ذکر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم جماعت احمدیہ اور مشاہیر احمدیت کے متعلق چند ایک ریمارکس دینا ضروری

سمجھتا ہوں۔

ایک غیر احمدی نے قریشی احمد شفیع آف میانوالی کے متعلق کہا کہ اگر مرزا صاحب اپنے دعوی میں سچے ہیں تو بخدا تمہارا مقام صحابہ کا ہے۔ (ص ۱۶۷)

ایک فون آپریٹر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی وفات کی اطلاع کی کنفرمیشن پر کہا۔ بزرگ سب کے سانجھے ہوتے ہیں اور فون کے پیسے نہ لئے۔(ص ۱۹۶)

ایک غیر احمدی ڈاکٹر نے ڈاکٹر عبدلسلام کو یوں خراج تحسین پیش کیا۔ ہم سب مسلمانوں کو اسلام کے اس بطل جلیل پر فخر ہے۔(ص ۲۴۵)

پروفیسر کابا نے کہا کہ اس صدی میں جو آدمی ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں نہیں جانتا۔ میرے نزدیک تو وہ انسان کہلانے کا بھی حقدار نہیں ہے۔(ص ۳۱۳)

مکرم منور احمد خورشید خاکسار سے جامعہ میں تین سال سینئر تھے۔ جامعہ میں بھی ملاقات ہوتی رہی۔ پھر دارالبرکات میں طلبہ جامعہ کی رہائش گاہ کہکشاں ہاؤس میں بھی علیک سلیک رہی۔ مگر فیلڈ میں میری ان سے پہلی ملاقات کھاریاں احمدیہ مسجد میں ہوئی۔ ان کو میں نے فل فارم میں دیکھا۔ اور اب ان کی دونوں تصانیف پڑھ کر ان کے جوہر دیکھنے کو ملے۔ ان کی کتاب میں درج ان کی خوبیاں پڑھ کر خاکسار کے لبوں پر یہ دعا رہی کہ اے اللہ موصوف کی قربانیوں کو قبول فرما۔ ان کو اجر عظیم عطا فرما اور آپ کی اس تصنیف کو نافع الناس بنا۔ آمین

ابوسعید
ایڈیٹر الفضل انٹرنیشنل، آن لائن

دبستانِ حیات

قسط اوّل

مکرم منور احمد خورشید صاحب واقفِ زندگی 1975ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور پاکستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ گیمبیا، سینیگال اور برطانیہ میں خدمت کی توفیق پاتے رہے ہیں۔ آپ کا ایک مضمون ''مادر علمی جامعہ احمدیہ ربوہ'' کے عنوان سے روزنامہ الفضل آن لائن کی 20/نومبر 2020ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ اسی تسلسل میں آپ نے دیگر حالات و واقعات بھی تحریر کئے ہیں جو قارئین کے استفادہ کے لئے پیش ہیں۔

میرا بچپن جہاں گزرا۔ میرا گاؤں فتحپور

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ **حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَان**۔ وطن سے محبت جزو ایمان ہے۔ اسی لئے دینِ فطرت نے وطن کی حرمت و ناموس کی خاطر جان دینے کو شہادت کا درجہ دیا ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاندینِ اسلام کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے پر ارشادِ ربّانی کے مطابق مکّہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔ جب آپ مکّہ شہر سے روانہ ہونے لگے تو مکّہ کی طرف رخِ انور کر کے فرمایا۔ ''اے مکّہ! ہم تم سے محبت کرتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اپنے آبائی شہر مکۃ المکرمہ کے لئے دُعا گو رہے اسی رشتۂ محبت اور ذکرِ خیر کی خاطر میں نے اپنے مادرِ وطن کے متعلق کچھ لکھنے کے لئے قلم

اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

تعارف فتح پور

میرے گاؤں کا نام فتح پور ہے۔جو ضلع گجرات پنجاب پاکستان کی ایک خوبصورت بستی ہے۔اس عاجز کو دنیا کے تین برّاعظموں کے تقریباً تیس سے زائد ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر جگہ کو مخصوص خوبصورتی،افادیت، شہرت اور تقدّس سے نواز رکھا ہے۔لیکن انسانی فطرت میں یہ چیز ودیعت ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کے بارے میں سوچتا ہے، پھر کچھ اور، ایسے ہی مجھے جو پیار، محبت اور نسبت فتح پور سے ہے۔کوئی مقام اس کا متبادل نہیں بن سکتا۔کیونکہ ہر انسان کا اپنے مولد و مسکن سے انس و محبت ایک فطری رشتہ ہے۔کہتے ہیں ہر انسان کی جنت اس کی اپنی ہی ماں کے قدموں میں ہوتی ہے۔

میں نے اسی گاؤں میں آنکھ کھولی،بچپن گزارا، ماں باپ ،بہن بھائی، گلیاں کوچے، اہل محلہ آج بھی دل و دماغ میں ایسے ہی زندہ ہیں جیسے کل کی بات ہو۔جب بھی میں آنکھیں بند کر کے چشمِ تصور میں فتح پور کا نقشہ سامنے لاتا ہوں۔محبت بھرا ماحول زندہ ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ مرحوم ماں باپ،عزیز رشتہ داروں ،بہن بھائیوں اور ہمجولیوں کی باتیں بھی فضا میں سنائی دیتی ہیں۔

آیئے !! آپ کو فتح پور کی سیر کراتے ہیں۔فتح پور ضلع گجرات کا ایک معروف گاؤں ہے۔جو گجرات شہر سے سولہ کلومیٹر شمال میں ہے۔اس کے مشرق میں جلال پور جٹاں

کا شہر ہے مغرب میں دولت نگر کا تاریخی قصبہ ہے۔شمال میں اعوان شریف ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں پر 1965ء میں ہندوستان کی افواج نے بمباری کی۔ بعدازاں پاک و ہند جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ یہ مقام چھمب جوڑیاں کے قریب ہے۔اس بارڈر پر جنرل ملک اختر حسین کے زیرکمان جنگ لڑی گئی۔جس میں انہیں تاریخی فتح حاصل ہوئی اوراس جنگ میں ہندوستان کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ کیونکہ اس وقت ساری قوم یک جان تھی۔

1965ء کی جنگ میں ہم محاذ پر گولہ باری کی ہولناک آوازیں سنتے تھے بلکہ رات کی تاریکی میں تو گولہ باری سے پیدا ہونے والی آگ کے شعلے بھی نظر آتے تھے۔ ہمارے گاؤں کے بہت سے نوجوانوں کو فوج میں جاک رمادرِوطن کی حفاظت کا اعزاز حاصل ہے۔وطنِ عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے پانچ چھ جوانوں کو تو جام شہادت پینے کی سعادت بھی ملی ہے۔ فتح پور قدیم سے ہی علاقہ بھر میں ایک مرکزی مقام رکھتا ہے۔مضافات کے سب چھوٹے دیہات اپنے آپ کو فتحپور کے نام سے ہی منسوب کرتے ہیں۔

ڈلی (برساتی ندی)

فتحپور کی شرقی جانب ایک بہت ہی خوبصورت ندی بہتی تھی۔جس میں صاف شفاف،آئینہ کی طرح چمکدار پانی سال بھر بہتا رہتا تھا۔اس زمانہ میں پورے گاؤں میں چند ایک کنویں تھے جن میں سے لوگ بنیادی ضروریات،نہانے دھونے اور پینے کے لئے پانی حاصل کیا کرتے تھے۔ باقی ندی کا سدابہار بہتا پانی سب افراد کی بہت سی متفرق

ضروریات پوری کردیتا تھا۔ کہتے ہیں یہ ندی کہیں دور کشمیر میں چشموں سے نکلتی تھی۔ جو ہم سب کے لئے ایک بہت بڑی رحمت خداوندی تھی۔ جس کے ساتھ ہمارے بچپن کی بہت ساری انمٹ یادیں وابستہ ہیں۔ سنا ہے اب تو اس کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہے کیونکہ شاید لوگوں کے رویّوں سے دل برداشتہ ہوکر اس کا بہاؤ بند ہوگیا ہے۔

کچی سڑک

ہمارے گاؤں کے شمال میں ایک کچی سڑک ہے جو راولپنڈی اور سیالکوٹ کو ملاتی تھی۔ اس کے دونوں اطراف شیشم کے بلند و بالا درخت ہوتے تھے۔ یہاں لوگ اکثر وبیشتر پیدل ہی سفر کیا کرتے تھے۔ سال میں ایک دو بار افواج پاکستان اپنی سالانہ مشقوں کے سلسلہ میں اِدھر سے گزرتیں۔ ہم لوگ بڑے اشتیاق سے فوجی گاڑیوں اور بھاری بھرکم ٹینکوں کو دیکھا کرتے تھے۔ یہ سڑک ایک اہم راہ گزر ہونے کے علاوہ ہمارے لئے ایک پارک کا درجہ رکھتی تھی۔ بچے یہاں کھیل کر اپنا شوق پورا کر لیتے۔ کوئی وہاں سے تھوڑا ایندھن لے آتا۔ تازہ مسواکیں ہر آن میسر ہوتیں۔ ہمارے اساتذہ کرام تو طلبہ کی گوشمالی اور انہیں قابل بنانے کے لئے ان شیشم کے درختوں سے صحت مند مولیٰ بخش (ڈنڈا) لے آتے تھے۔

فتحپور علم کے میدان میں

جب میں نے آنکھ کھولی۔ اس دور میں فتحپور میں لڑکوں کا ایک مڈل سکول تھا۔ جو گاؤں کے شمال میں تھا۔ بچیوں کے لئے گاؤں کے جنوبی محلّہ میں ایک پرائمری سکول ہو

اکرتا تھا۔فتحپور کے مضافات سے تقریباً دس دیہاتوں کے بچے تحصیلِ علم کی خاطر فتحپور میں ہی آیا کرتے تھے۔ جب میَں کلاس ہشتم کا طالب علم تھا اس وقت میری کلاس میں تقریباً پندرہ سولہ طالب علم تھے۔آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس دور میں آٹھویں کلاس تک تعلیم حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔سکول ہمارے گھر سے تقریباً نصف میل کی مسافت پر تھا۔عمارت پختہ تھی۔کلاس رومز کے سامنے ایک برآمدہ تھا۔جس کی دیواروں پر بڑی خوش خطی سے جلّی حروف میں اشعار تحریر تھے۔ایک شعر آج تک مجھے یاد ہے۔

نہال اس گلستان میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ ہی نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

سادہ، پُروقار، محنتی اور مخلص اساتذہ کرام، اہلِ خِرد نے استاذ کو باپ کا درجہ بخشا ہے کیونکہ یہ استاذ ہی ہے۔ جو بچے کی فکری اور عملی صلاحیتوں کو اُجاگر کرکے اس کو شرفِ انسانیت سے متعارف کراتا ہے۔اس لئے اپنے اساتذہ کرام کا ذکرِ خیر اور ان کے لئے نیک تمنائیں شاملِ حیات رہنی چاہیں۔انہی ہستیوں کا ہماری شخصیات کو کسی اعلیٰ مقام پر پہنچنے اور ہماری پسِ پردہ صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں بڑا عمل دخل ہے۔

اس دور میں چونکہ ماحول میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کا قحط الرّجال تھا۔اس لئے ان مدارس میں اساتذہ کی تعلیم بظاہر بہت ہی بنیادی ہوا کرتی تھی۔آپ کو اس بات سے اندازہ ہوجائے گا کہ ہمارے سکول میں ایک استاذ مکرم سیّد کرم شاہ صاحب ہوتے تھے۔جو آٹھ جماعتیں پاس تھے اور آٹھویں جماعت کو ہی پڑھایا کرتے تھے۔لیکن ایک بات ہے کہ وہ اساتذہ کرام اپنے کام میں بہت زیادہ مخلص ہوتے تھے۔سکول میں آٹھ کلاسز تھیں اور آٹھ

ہی اساتذہ تھے۔مکرم چوہدری حاکم علی صاحب آف شیر گڑھ اس ادارہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ جو غالباً بی اے، بی ایڈ تھے۔ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

مجھے یاد ہے جب میں کلاس ہفتم میں تھا۔ ہمارے ایک استاذ مکرم محمد خان صاحب جو فتحپور کے ایک مضافاتی گاؤں کریم داد سے آیا کرتے تھے۔ان کی ایک ٹانگ کمزور تھی۔جس کی وجہ سے لنگڑا کر چلتے تھے۔ یہ موصوف اپنے گاؤں سے سائیکل پر سوار ہو کر سکول آتے تھے۔سردی ہو یا گرمی ہمیشہ ہی قبل از وقت سکول آجاتے۔رستہ میں انہیں ڈلی (برساتی ندی) عبور کرنی پڑتی۔جو ایک معذور آدمی کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ الغرض سب اساتذہ اس قدر اخلاص اور فرض شناسی سے طلبہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی سعی مسلسل کرتے کہ آج بھی میرے دل ودماغ میں ان شفیق اور مخلص اساتذہ کے نقوش رقم ہیں۔

امتحان کلاس ہشتم۔ورنیکلر فائنل

جب میں آٹھویں کلاس میں تھا اس دور میں آٹھویں کلاس کا امتحان ورنیکلر فائنل کا امتحان کہلاتا تھا۔ ہمارے علاقہ کے جملہ مدارس کا سنٹر دولت نگر نامی قصبہ تھا۔تمام قریبی مدارس کے طلبہ وہاں امتحان کے لئے آتے تھے۔اوران ایام میں ان سب طلبہ اور اساتذہ کا قیام دولت نگر ہائی سکول کی عمارت میں ہی ہوتا تھا۔سب طلبہ کلاس رومز میں ٹاٹ پر سوتے تھے۔ یہ قیام غالباً دس روز کے قریب ہوتا تھا۔دولت نگر ہمارے گاؤں سے تقریباً پانچ میل کی مسافت پر تھا۔اپنے استاذ مکرم محمد اکرم صاحب کی نگرانی میں ہم پیدل ہی دولت نگر گئے۔سب طلبہ نے غالباً دو دو روپے فی کس کے حساب سے ادائیگی کی تھی۔ہم

نے کھانے پینے کا سامان ایک گدھے پر لادا اور دولت نگر پہنچ گئے۔ ہمارے ساتھ ہمارے محلہ سے ایک رمضان نامی بزرگ تھے۔جن کا کام ہمارے لئے کھانا تیار کرنا تھا۔

اس دور میں یہ ہمارا پہلا طویل ترین سفر تھا۔ ہمارے گاؤں میں تو صرف چند ایک دُکانیں تھیں لیکن دولت نگر میں باقاعدہ ایک بازار تھا۔جو ہمارے لئے ایک بڑی بات تھی۔ ہماری زندگیوں میں یہ ایک نیا تجربہ تھا۔امتحان سے فارغ ہو کر واپس اپنے گاؤں لوٹے۔اس مختصر سے سفری تجربہ نے ہمیں یہ احساس بخش دیا کہ ہم بہت کچھ جانتے ہیں جس سے باقی لوگ نابلد ہیں۔ہم لوگ کئی روز تک اہل خانہ اور اپنے دوستوں کو بڑے فخر یہ انداز میں دولت نگر میں قیام کے دوران اپنے تجربات اور مشاہدات بتاتے رہے۔ ہمارے بزرگ ہماری سادگی پر بس مسکرا دیتے۔

میرے ایک پروفیسر دوست کی بچی سکول داخل ہوئی۔اس کی ٹیچر نے اسے بتایا کہ زمین گول ہے۔ بچی نے گھر آ کر بڑے فخر یہ انداز میں اپنے ابو جان سے کہا۔ پاپا پتہ ہے کہ زمین گول ہے، پروفیسر صاحب نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور چند بنیادی باتیں نظام شمسی کے بارے میں بچی کو بتائیں۔جس پر بچی بڑی حیرانی سے بے ساختہ بولی۔ابو آپ کو یہ کیسے معلوم ہے۔آپ کو یہ کس نے بتایا ہے۔اسے ہی بچپن کہتے ہیں۔

اس ادارہ کے لئے یہ بات قابل صد فخر ہے کہ اس مادرِ علمی کی آغوش سے بہت سے قابلِ قدر جواہر پیدا ہوئے۔ جنہیں مختلف صورتوں میں ملّی اور قومی خدماتِ جلیلہ کی سعادت ملی۔جن میں ڈاکٹرز، پروفیسرز، ٹیچرز، دانشور، کاروباری شخصیات سیاستدان، وکلاء اور پولیس اور فوج کے افسران بھی شامل ہیں۔

ادب واحترام۔رشتوں کی پاسبانی

میرے بچپن کے دور میں ہمارے گاؤں کی تین اطراف میں بڑے بڑے تالاب ہوا کرتے تھے۔جواب لالچ اور ہوس پرستی کی نذر ہو چکے ہیں۔ان تالابوں میں برساتی پانی بھر جاتا تھا جو سال بھر جمع رہتا۔لوگ اپنے مال مویشیوں کو وہاں سے پانی پلاتے ،نیز یہ آبی ذخیرہ بہت سی دیگر ضروریات کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ یہ تالاب اس دور کے سوئمنگ پول بھی ہوا کرتے تھے ۔کیونکہ یار لوگ یہاں تیرا کی کا شوق بھی پورا کرلیا کرتے تھے۔ایک دفعہ چند مرغابیاں تلاشِ معاش میں اڑتی اڑتی ہمارے محلے کے تالاب میں اتر گئیں ۔اس دور میں ہمارے گاؤں میں چند ایک لوگوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھی۔جن میں مکرم سید منظور حسین شاہ صاحب بھی شامل تھے۔شاہ صاحب کو تالاب میں مرغابیوں کی آمد کا علم ہوا۔انہیں بھی شکار کا شوق پیدا ہوا۔وہ اپنی بندوق لے کر تالاب کی طرف چل پڑے۔انہیں دیکھ کر بے شمار لوگ تالاب کے قریب جمع ہو گئے۔میں بھی ان تماش بین لوگوں میں شامل ہو گیا اور اتفاق سے جہاں پر شاہ صاحب مرغابی کی جانب بندوق تانے نشست لئے بیٹھے تھے۔میں بھی ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔

ہمارے گاؤں میں اس قسم کے شکار کا یہ پہلا موقع تھا اور پہلی بار ہی لوگوں نے بندوق کو اپنے اتنے قریب سے چلتے دیکھا تھا۔اس لئے لوگوں میں کافی جوش وخروش نظر آرہا تھا۔شاہ صاحب اچھے نشانہ باز تھے۔پھر بھی احتیاط برتنی لازمی تھی۔ جب شاہ صاحب بندوق چلانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔اتفاق سے عین اسی وقت ہمارے محلّے کی ایک خاتون جس کا نام اللہ رکھی تھا۔وہ اپنی زمینوں کی طرف سے آرہی تھی۔اس نے

بھی یہ سارا ماجرا دیکھا۔ وہ جب شاہ صاحب کے قریب پہنچی۔ اس نے زور سے کہا۔ لوگو اگر ایک بے چارہ معصوم سا پرندہ تمہارے گاؤں میں آ ہی گیا ہے تو کیوں سارا گاؤں اس کو مارنے کے لئے اکٹھا ہو گیا ہے۔ جیسے ہی منظور شاہ صاحب کے کانوں میں اس خاتون کی یہ آواز پہنچی۔ اس بزرگ خاتون کی درخواست یا خواہش کے احترام میں اسی وقت انہوں نے بندوق اٹھائی اور اپنی راہ ہو لئے۔

پیار محبت اور امن کا گہوارہ

بنی نوع انسان میں فکری، علمی، معاشی اور مذہبی اختلاف تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ابنائے آدم ہابیل اور قابیل کے قصہ سے ہم سب آشنا ہیں۔ انسانی فطرت میں یہ جو فکری اختلاف ہے۔ اس کے غلط اور بے جا استعمال سے اختلافات پھر لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ ہمارے دور میں بھی لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ اکثر تو صرف زبانی کلامی اور گالی گلوچ تک ہی ہوتے۔ کبھی کبھار ہاتھا پائی تک بھی نوبت آجاتی تھی۔ چونکہ ڈانگ، سوٹے کا دور تھا۔ اس لئے بدنتائج محدود ہوتے تھے۔

مجھے یاد ہے۔ غالباً 1963ء میں ہمارے گاؤں میں پہلی بار دو گروپوں کے مابین باقاعدہ آتشیں اسلحہ سے لڑائی ہوئی تھی۔ جس میں کسی قریبی گاؤں کا ایک آدمی اکبر نامی قتل ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد کافی عرصہ تک فتح پور کی فضا میں خوف و ہراس کے سائے لہراتے رہے۔ ایک لمبا عرصہ تک اس لڑائی اور پھر خاص طور پر قتل کے واقعہ سے در و دیوار گونجتے رہے۔ ہمارے سکول کے بچے لکڑیوں کو رسیاں باندھ کر بندوقیں بنا لیتے اور پھر آپس میں لڑائی کرتے۔ جس کے نتیجہ میں ہر بار وہی اکبر نامی آدمی قتل ہو جاتا تھا۔ اب تو

سنا ہے بہت سے بچوں کے پاس اصلی پستول بھی ہوتے ہیں۔جن سے وہ محض کھیلتے ہی نہیں بلکہ حقیقت میں قتل بھی کر دیتے ہیں۔

کیا زمانہ تھا۔سارا گاؤں ایک خاندان کی طرح جیتا تھا۔سب کی خوشیاں اور غم مشترکہ ہوتی تھیں۔لوگ اکٹھے بیٹھتے، گھنٹوں باتیں کرتے۔بچے اپنے دوستوں کے ساتھ کھلے میدان میں کھیلتے۔بچیاں اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ ہنستی، کھیلتی تھیں۔ہرکوئی اپنے سے بڑے کو بھائی، چاچا، ماموں کہتا۔ہر بڑی عورت بہن، خالہ یا پھوپھی کہلاتی تھی۔مذہبی رواداری تھی۔

عصر حاضر کا فتحپور

کہتے ہیں دنیا کی ترقی میں سب سے اہم اور بنیادی کردار پہیے کا ہے۔کیونکہ اگر پہیہ جام ہوجائے۔تو سارے کام دھرے کے دھرے رہ جائیں۔نقل وحمل نہ ہونے کے برابر ہوجائے۔ترقیات کی فلک بوس عمارت زمین بوس ہوجائے۔

فتحپور میں جب سے کھاریاں سے سیالکوٹ والی سڑک بنی ہے۔جس کی وجہ سے فتحپور چوک وجود میں آگیا ہے۔اس سے گاؤں کی اہمیت، شہرت اور افادیت فرش سے عرش پر پہنچ گئی ہے۔کہاں چند ٹانگے بھاگا کرتے تھے۔اب گاڑیوں کی ریل پیل ہوگئی ہے۔کچی گلیاں پختہ ہوچکی ہیں۔کچے مکان کوٹھے عالیشان عمارات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔آب گھر میں میسر ہے اگرچہ ''اب خوش آب'' نہیں رہا۔ایک وہ دور تھا جب لوگ گاؤں سے گجرات تک پیدل ہی جایا کرتے تھے۔اب تو ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں

جانے کے لئے بھی سواری میسر ہے اوراس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے۔فتحپور میں گوشت کی اکلوتی دوکان ہوا کرتی تھی۔ جہاں ہفتہ میں غالباً دو دن ایک ایک جانور ذبح کیا جاتا تھا۔اس جانور کو ذبح کرنے سے پہلے باقاعدہ بناؤ سنوار کے بعد پورے گاؤں کا چکر لگوایا جاتا تھا۔لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ایک ڈھولیا بھی ساتھ ہوتا تھا۔

فتحپور میں تین چار چھوٹی چھوٹی پرچون کی دوکانیں ہوتی تھیں۔اب سینکڑوں چھوٹی بڑی دوکانیں ہیں۔تعلیمی میدان میں بہت ترقی ہوچکی ہے۔بہت سے بچے اور بچیاں بی اے، ایم اے تک تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔اب تو گجرات یونیورسٹی بھی ہمارے گاؤں سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر بن گئی ہے۔نئی تہذیب اور ترقی بام عروج پر پہنچ رہی ہے۔طبی سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔اب تو سرکاری اسپتال کے علاوہ پرائیویٹ طبی سہولیات کے مراکز آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔الغرض ہر نعمت اور سہولت جس کا تصور آپ کسی بڑے شہر میں کر سکتے ہیں۔وہ آج آپ کو فتحپور میں میسر ہے۔

لمحہ فکریہ

ایک وہ دور تھا جب پانچوں وقت مؤذن کی دلفریب آواز فضا گونجتی تھی اور لوگ پیار محبت سے مسجدوں میں آتے جاتے تھے۔اب لاؤڈ سپیکر کی آوازیں گرجتی ہیں مسجدوں میں جانے والے بے چارے نمازی سہمے ہوئے اور خائف نظر آتے ہیں۔مساجد کے دروازوں پر گن مین بندوقیں تانے مستعد کھڑے ہوتے ہیں۔جو ہر آنے والے نمازی کو بنظرِ غور دیکھتے ہیں۔شاید یہ نمازی نہیں بلکہ کوئی حملہ آور ہے۔مساجد میں ذکر الٰہی اور تقدّس کے ماحول کی بجائے خوف و ہراس کا ماحول ہے۔

لیکن ان سب نعمتوں کہ باوجود جیسا کے اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔ ''جب جہنم دھکائی جائے گی اور جنت قریب لائی جائے گی''۔ عجیب کیفیت ہے۔کوئی ایسا ہی معاملہ نظر آتا ہے۔سب ظاہری نعمتوں کے میسّر ہونے کے باوجود سکون نہیں،امن،صلح جوئی، رواداری،تحمل بردباری اور شرم وحیا کی کمی ، رشتوں کا احترام ، چھوٹے بڑے کے فرائض اور حقوق کا فقدان عروج پر پہنچا ہوا ہے۔نشہ کی لعنت، چور بازاری، ڈاکے ، اغوا برائے تاوان اور قتل وغارت نے ہر شہری کو صلیب پر لٹکا رکھا ہے۔گھروں میں تو بڑی بڑی پختہ اور اونچی دیواریں بن گئی ہیں۔جن کے ساتھ ساتھ دلوں میں بھی نفرت وتعصب کی بلند وبالا اور مستحکم فصیلیں کھڑی ہوگئی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اس نفسا نفسی کے دور میں ہر شخص جو آپ کو خوش وخرم نظر آتا ہے۔اس کا سینہ کھول کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی مسکراہٹ مصنوعی ہے۔ بظاہر سکون کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے لیکن اس کا دل ہر آگے پیچھے آنے والے سے خائف ہے۔

دردمندانہ التماس ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریباں میں جھانکنا چاہیے۔ حسد، کینہ،تعصب، لالچ ،بغض اور اناءِ نفس سے بالا ہو کر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ہم کیوں یہاں کھڑے ہیں۔ہم یہاں کیسے پہنچ گئے۔ یہ ایک طویل کہانی ہے۔ جسے سب جانتے ہیں۔

اظہارِ جرأت نہیں ہے۔ یہ ایک درد ہے۔ یہ ایک دردمندانہ ندا ہے۔ یہ بات صرف فتحپور کی نہیں۔ پورے وطن عزیز کی ہے۔اے اللہ تعالیٰ ہمیں انسانیت کی نعمت سے نواز۔آمین

فتحپور میں شجرِ احمدیت

ہمارے ہمسائے میں ایک خدا رسیدہ ، عالم وفاضل اور ولی اللہ بزرگ رہتے تھے۔ جن کا نام مکرم سید محمود احمد صاحب تھا۔ اس دور میں ہمارے علاقہ میں ان کے علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کی بہت شہرت تھی۔ یہ بزرگ اپنے محلے کی مسجد کے امام الصلوٰۃ تھے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں قرآن پاک کی درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری وساری رہتا تھا۔ جس میں علاقہ بھر سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد دینی تعلیم حاصل کرتی تھی۔

میرے دادا مکرم حضرت میاں عبدالکریم صاحب کی یہ خوش بختی تھی کہ یہ بزرگ شاہ صاحب کے ہمسائے میں ہی رہتے تھے۔ آپ کو شاہ صاحب جیسے عالی مرتبت بزرگ کی نیک صحبت بچپن سے ہی نصیب ہوگئی تھی۔ پھر شاہ صاحب کی نیکی اور اخلاقِ فاضلہ سے متاثر ہوکر ان کے حلقۂ معتقدین میں شامل ہو گئے اور اکثر اوقات ان کی روحانی اور علمی مجالس میں جا کر بیٹھے رہتے۔

علامات ظہور مہدی

مکرم شاہ صاحب ایک پاک فطرت، نیک سیرت، صاحب رؤیا وکشوف اور عالم باعمل وجود تھے۔ آپ اس زمانہ کے مسلمانوں کی افسوسناک عَملی اور عِلمی صورتِ حال سے خاصے دل برداشتہ تھے۔ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ کا ماحول دیکھ کر باقی خدا ترس مسلمانوں کی طرح احیاءِ اسلام کے لئے، اللہ کی طرف سے ایک ہادی اور مُصلِح

کے انتظار میں تھے۔

ایک دن مکرّم شاہ صاحب نے آسمان پر کچھ مخصوص ستاروں کی حرکات وسکنات کی طرف دیکھ کر اپنے دوستوں سے فرمایا کہ یہ نشان ظہورِ مہدی کی علامات میں سے ہیں اور آخری زمانہ میں جس مہدی کی آمد کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمائی تھی اب وہ امام مہدی ظاہر ہو چکے ہیں یا ظاہر ہونے والے ہیں۔

احمدیت سے ابتدائی تعارف

روایت ہے کہ ایک دن مکرم شاہ صاحب کسی کام کی غرض سے قریبی قصبہ جلال پور جٹاں گئے ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ بازار میں ایک ریسٹورنٹ میں تشریف لے گے اور ریسٹورنٹ کے مالک کو ایک گلاس لسی کے لئے کہا۔ جب آپ لسی پینے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ بازار میں ایک آدمی کو بڑی بے رحمی سے زَدوکوب کر رہے ہیں۔ آپ فوراً ان لوگوں کے پاس گئے اور ان سے اس شخص کو اس طرح مارنے کا سبب دریافت کیا۔

لوگوں نے اس شخص کے بارے میں برا بھلا کہتے ہوئے بتایا کہ ہم لوگ اس کو اس لئے مار رہے ہیں کہ یہ شخص ادھر کہتا پھرتا ہے کہ امام مہدی آ گیا ہے۔ امام مہدی آ گیا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا۔ آپ اس بے چارے کو کیوں مار رہے ہیں؟ اگر مارنا ہے تو اسے جا کر ماریں جس نے دعویٰ کیا ہے۔ اس پر آپ نے ان لوگوں سے اس بے چارے کی جان چھڑائی اور اس کو اپنے ساتھ ہوٹل میں لے آئے۔ اس کو لسی پیش کی اور پھر پوچھا کہ یہ امام مہدی والا کیا قصہ ہے؟ یہ شخص احمدی تھا۔ اس نے حسبِ علم حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے دعویٰ کے بارے میں آپ کو بتایا۔مکرم شاہ صاحب تو پہلے سے ہی اس نور کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ واپس گھر تشریف لائے اور اپنے چند مریدوں کو بغرض تحقیق قادیان بھجوا دیا جو فتحپور ضلع گجرات سے پا پیادہ قادیان گئے۔قادیان پہنچ کر انہوں نے اپنی فکر اور سمجھ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات و واقعات کا مطالعہ ومشاہدہ کیا اور واپس آ کر شاہ صاحب کی خدمت میں پوری صورتِ حال بیان کر دی۔

شاہ صاحب کی قبول احمدیت

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مکرم شاہ صاحب خود قادیان کے لئے روانہ ہوئے اور جا کر حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی دست بوسی اور شرف بیعت حاصل کیا اور تین سو تیرہ خوش نصیبوں میں شامل ہو گئے۔

اعلان احمدیت

قادیان سے واپس آ کر مکرم شاہ صاحب نے اپنے دوست احباب کو بتایا کہ میں نے تو حضرت مرزا صاحب کی بیعت کر لی ہے۔اب آپ لوگوں کی مرضی ہے کہ میرے پیچھے نماز ادا کریں یا نہ کریں۔اس پر گاؤں کے مولویوں نے آپ کی مخالفت شروع کر دی جس سے اکثر لوگ خائف ہو گئے اور انہوں نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا۔مگر چند دوستوں نے اس صداقت پر شاہ صاحب کا ساتھ دیتے ہوئے اپنے احمدی ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔

حضرت مسیحِ پاک کا سفر جہلم

یہ 1903ء کی بات ہے۔ یہ خبر ملی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک معاند کرم

دین کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم کی ایک عدالت میں تشریف لا رہے ہیں۔(جہلم شہر ہمارے گاؤں سے تقریباً 40 میل کی مسافت پر ہے) یہ خبر سنتے ہی بہت سارے لوگ جہلم پہنچ گئے تا کہ حضرت اقدس کی زیارت کر سکیں۔اس طرح بہت سارے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی عطا کردہ توفیق سے جہلم پہنچ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔جہلم شہر میں حضور پُرنور علیہ السلام کی زیارت کرنے والوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔اس کا اِس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پر صرف ایک دن میں 1200 بیعتیں ہوئی تھیں اور ان بیعت کرنے والے خوش نصیب لوگوں میں ہمارے گاؤں کے احباب بھی شامل تھے۔فتحپور جماعت کو ضلع گجرات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ایک فعّال جماعت ہے۔ہمارے بزرگوں کی نسلیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں اور خدمت دین کی توفیق پا رہی ہیں۔الحمد للہ علی ذالك

مادرِ علمی جامعہ احمدیہ ربوہ

گاہے گاہے باز خوان ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

کہتے ہیں، جوں جوں انسان بڑھاپے کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔اسے اپنی پرانی یادیں، پرانی اشیاء اور پرانے رشتے بہت یاد آتے ہیں۔آج میں بھی، جامعہ احمدیہ ربوہ کے زمانہ طالب علمی کی حسین یادوں میں میں کھویا ہوا تھا۔سارے منظر بند آنکھوں سے بڑے ہی صاف و شفاف نظر آ رہے تھے۔جامعہ احمدیہ میں روز اوّل سے شاہد کی

ڈگری کے حصول تک کا ایک طویل سفر ایک فلم کی طرح نظروں کے سامنے دوڑتا چلا گیا۔ سوچا کیوں نہ ان یادوں کو صفحہ قرطاس کی زینت بنا دیا جائے۔شاید میری طرح کسی اور دوست کی یادیں بھی تازہ ہو جائیں اور عین ممکن ہے دور حاضر کی جامعات کے طلبہ کے لئے بھی سابقہ اور موجودہ ادوار میں حصول علم کے میدان میں پیش آنے والی سہولتوں اور صعوبتوں کا موازنہ اور تقابلی جائزہ، کسی بھی رنگ میں ان کے لئے مہمیز بن جائے۔ یاد رہے کہ یہ چند یادداشتیں 1967ء سے 1975ء تک کی ہیں۔اس دور سے قبل کے حالات کا جائزہ آپ خود لے سکتے ہیں۔

جامعہ احمدیہ کا آغاز

یہ وہ مقدس ادارہ ہے جس کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے رکھی ۔اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جب جماعت احمدیہ کے دو جید اور متبحر عالم حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی صاحب اور مولوی برھان الدین جہلمی صاحب یکے بعد دیگرے اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔جس کی وجہ سے جماعت میں ایک علمی خلا پیدا ہونے کا امکان نظر آنے لگا۔اس صورت حال کے پیش نظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1906ء میں اس مادر علمی کی بنیاد دینیات کلاس کے نام سے جاری کی۔اب اس کے شیریں ثمرات سے اکناف عالم میں ہر قوم وملت اور رنگ ونسل کے لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت یہ چشمہ معرفت رواں دواں ہی رہے گا۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ

یہ 1967ء کی بات ہے، میں نے میٹرک پاس کرنے کے بعد جامعہ احمدیہ میں داخلہ کی تیاری کی۔ انٹرویو کے لئے ربوہ کا رخ کیا۔ یہ میری زندگی کا کسی بزرگ کی نگرانی کے بغیر پہلا آزادانہ سفر تھا۔ اس سفر میں مجھے چار مقامات پر اس دور کی میسرہ سفری سہولیات کو تبدیل کرنا تھا۔جس میں پیش آمدہ مشکلات کا ذکر کرنا خاصا مشکل امر ہے کیونکہ کچھ حصہ پیدل کچھ بس کے اندر اور کچھ حصہ بس کی چھت پر طے کیا۔آج کا نوجوان تو یہی کہے گا۔اللہ بابا کیسی کیسی گپ مارتا ہے۔

بخیریت ربوہ پہنچ گئے۔رات دارالضیافت میں گزاری،اس دور کے دارلضیافت کا نقشہ صرف ہمیں ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔آج تو اللہ کے فضل سے ایک نئی دنیا آباد ہو چکی ہے۔دارلضیافت میں میرے کمرے میں میری طرح اور بہت سے دیہاتی نوجوان جامعہ میں داخلہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔اس طرح ادھر ہی ان سب سے علیک سلیک ہوگئی۔ پھر امتداد زمانہ کے ساتھ یہ علیک سلیک ان میں سے بعض کے ساتھ چھ دھائیوں پر محیط ہوگئی ہے۔لیکن ان میں سے ایک بڑی تعداد بھولی بسری یاد بن چکے ہیں۔

جامعہ میں داخلہ کے لئے انٹرویو

جامعہ احمدیہ میں پرنسپل صاحب کے دفتر کے سامنے برآمدہ میں جملہ امیدوار ڈرے ڈرے اور سہمے ہوئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ بڑی بے چینی سے اپنی باری اور قسمت کے فیصلے کا انتظار کررہے ہیں۔ بالآخر میری باری آتی ہے۔لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ پرنسپل صاحب کے دفتر میں داخل ہوا۔ پرنسپل صاحب کرسی صدارت پر براجمان ہیں اور

بقیہ بزرگ اساتذہ اطراف میں تشریف فرما ہیں۔ان اساتذہ کی شخصیات کا یک ایسا سحر تھا کہ ایک دیہاتی نوجوان کی اس صورت حال میں کیا کیفیت ہوسکتی ہے۔اس کا اندازہ آپ خود ہی بخوبی لگا سکتے ہیں۔ چند ایک سوال پوچھے گئے۔میری نروس شدہ صورت حال کے پیش نظر معزز کمیٹی نے مجھے جلد ہی رخصت سے نواز دیا۔بعد میں علم ہو کہ مجھے داخلہ مل گیا ہے۔الحمدللہ

جامعہ میں آمد

پھر واپس اپنے گاؤں پہنچا۔والدین کو نوید مسرت سنائی۔پھر مجوزہ تاریخ پر دوبارہ عازم ربوہ ہوا۔اس دفعہ تو میرے پاس ایک چارپائی بھی تھی۔ جسے کھول کر باندھ لیا گیا تھا۔ایک بکسہ اور کچھ متفرق سامان بھی تھا۔اس وقت مجھے جہاں بھی بس بدلنی ہوتی اپنا سامان بس کی چھت پر چڑھانا ہوتا تھا۔جو ایک نیا تجربہ تھا۔ابتدا میں خاصا دشورا کام تھا۔ لیکن بعدازاں اس میں ماہر ہو گئے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ ساحل سمندر پر کسی نے ایک گول پتھر دیکھا۔اس نے پتھر سے پوچھا بھئی تم اس قدر گول کیسے ہو گئے ہو۔اس نے جواب دیا ٹھوکریں کھا کھا کر۔یہی کیفیت اس دنیا میں ہم سب کی ہے۔

پرنسپل صاحبان

جب ہم جامعہ میں داخل ہوئے،ان دنوں مکرم سید میر داود احمد صاحب پرنسپل تھے۔ بہت ہی بارعب شخصیت تھے۔ بہت ہی زبردست منتظم ہونے کے علاوہ علم حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جملہ طلبہ کی ہر قسم کی تربیت اور فلاح و بہبود کی خاطر شب وروز کوشاں رہتے۔لیکن مع الاسف زندگی نے وفا نہ کی اور محض انچاس برس کی میں اس عالم

فانی سے رخصت ہو گئے۔

ان کے بعد مکرم ملک سیف الرحمان صاحب نے جامعہ کی کمان سنبھالی۔ پھر کما حقہ اپنے فرائض کو خوب نباہا۔ کیا ہی خوبصورت درویش صفت بزرگ تھے۔

جامعہ احمدیہ کا تدریسی پروگرام

جامعہ احمدیہ میں سات سالہ کورس ہوتا تھا۔ کلاسز، ممہدہ، اولی، ثانیہ، ثالثہ، رابعہ، خامسہ اور شاہد کہلاتی تھیں۔ غیر ملکی طلبہ کے لئے اردو سیکھنے کے لئے ایک دو سال اضافی ہوتے تھے۔

مضامین، اردو، انگریزی، قرآن پاک ناظرہ، قرأت، قرآن پاک ترجمہ، تفسیر القرآن، کلام، حدیث، منطق، عربی، صرف ونحو اور فقہ اور کئی دیگر مضامین بھی ہوتے تھے۔ یہ ایک بہت ہی بھرپور تعلیمی پروگرام تھا۔ سال بھر باقاعدگی سے پڑھائی کرنی پڑتی تھی۔

ہمارے بہت سے رفیق جامعہ احمدیہ کا طویل المیعاد سفر دیکھ کر یا کسی اور وجہ سے جامعہ کو الوداع کہہ گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میری کلاس میں چھیالس طلبہ نے داخلہ لیا تھا۔ آخر میں صرف آٹھ طالبعلم اپنی منزل مقصود تک پہنچے۔

لیکن جامعہ چھوڑنے والے طلبہ میں ایک بات قدرے مشترک ہے۔ جب بھی وہ دوست زندگی میں کہیں ملتے ہیں۔ تو وہ جامعہ چھوڑنے پر اپنی پشیمانی کا اظہار ضرور کرتے ہیں۔ بلکہ بعض دوست تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے بچوں کو جامعہ بھجوا کر تسکین خاطر حاصل کی ہے اور اپنی ناکامی کے درد کا مداوا کیا اور وہ اس کامیابی پر بہت خوش ہیں۔

الحمدللہ

جامعہ کی لائبریری

جامعہ احمدیہ میں ایک مختصرسی لائبریری ہوتی تھی۔ ہمارے دور میں مکرم حمید احمد خالد صاحب اس کے انچارج ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ خلافت لائبریری کی نعمت میسرتھی۔ تحقیقی امور کے لئے بسا اوقات طلبہ کولاہور یا دیگر شہروں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ دور حاضر میں تو گھر بیٹھے دنیا جہان کی کتب کو کاپی اور پیسٹ کیا جاسکتا ہے۔

انٹرنیشنل طلبہ

اس دور میں کئی رنگ ونسل کے مختلف زبانیں بولنے والے طلبہ ایک ہی چھت کے تلے بہت ہی پیار محبت اور ایک ہی کنبے کے افراد کی طرح رہتے تھے۔ بہت ہی خوبصورت ماحول تھا۔ ان طلبہ کا تعلق گھانا، کینیا، یوگنڈا، تنزانیہ، امریکہ، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، فجی اور ماریشس وغیرہ سے تھا۔

جامعہ کا اسمبلی ہال

جامعہ احمدیہ میں ایک اسمبلی ہال ہوتا تھا۔جس میں روزانہ اردو، عربی اور انگریزی تقاریر کا پروگرام ہوتا تھا۔ نیز علمی مقابلہ جات اور امتحانات وغیرہ کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔اس ہال نے ،کسی دور میں ، بڑے بڑے اسٹیجوں پر خطاب کرنے والوں کی ٹانگوں کو باقاعدہ کپکپاتے اور لرزتے دیکھا ہے۔ کیونکہ ان مقررین کی ابتدائی تقاریر کا آغاز اسی ہال میں ہوا کرتا تھا۔ بہرحال کہتے ہیں۔

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

اس تاریخی ہال میں ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ، حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب، اور دیگر بہت سارے مشہور و معروف اور دیگر مشہور زمانہ ہستیوں کو سننے کا اعزاز حاصل ہے۔

ہمارے محسن اساتذہ

میں اپنے قابل قدر اساتذہ کرام اور دیگر کارکنان جامعہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے کمال بے نفسی سے ہماری علمی، روحانی، جسمانی اور فکری صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

ہر گل را رنگ و بوئے دگر است

مکرم میر سید داود احمد صاحب پرنسپل جامعہ۔ ماہر منتظم۔ حدیث۔ افسر جلسہ سالانہ
مکرم ملک سیف الرحمان صاحب۔ مفتی سلسلہ۔ حدیث۔ فقہ فقہ۔ مصنف
مکرم محمد احمد جلیل صاحب۔ مفتی سلسلہ۔ حدیث۔
مکرم ملک مبارک احمد صاحب۔ عربی دان۔
ان کی جماعتی کتب کے عربی تراجم کی خدمات لازوال ہیں۔
مکرم محمد احمد ثاقب صاحب فقہ۔ شفیق اور ہمدرد وجود
مکرم نور الحق انور صاحب۔ قرآن کریم۔ سابق مبلغ امریکہ
مکرم نور الحق تنویر صاحب۔ عربی ادب۔ شیریں زبان

مکرم محمد دین ناز صاحب ۔صرف ونحو۔اعلیٰ منتظم

مکرم لئیق احمد طاہر صاحب ۔موازنہ مذاھب ۔مبلغ انگلستان

مکرم میاں رفیع احمد صاحب ۔تصوف ۔مبلغ سلسلہ

مکرم میر محمود احمد صاحب منطق ۔تحقیق و تدقیق کے ماہر

مولانا غلام باری سیف صاحب علم کلام ۔پُرجوش خطیب

مکرم قاری محمد عاشق صاحب ۔قرأت

دیگر کارکنان جامعہ

شریک ہم بھی تھے اس گلشن کی آبیاری میں

میجر نذیر احمد صاحب سدا بہار وجود تھے۔انہیں میجر پیار سے کہتے تھے۔ان کا کام ڈاک وغیرہ لانا ہوتا تھا۔جب کبھی ہمارا خط آتا تھا۔تو نظر آنے پر بے اختیار ان کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آج ہمارا خط آیا ہے۔قریشی سعید احمد صاحب ۔راجہ عزیز احمد صاحب ۔بابا سیلونی صاحب اور سلیم احمد صاحب وغیرہ کا ذکر نہ کرنا بھی ناانصافی ہوگی ۔کیونکہ اس گلشن کی آبیاری میں سب نے ہی اپنے اپنے رنگ میں ایک اہم حصہ ڈالا ہے۔فجز اھم اللہ احسن الجزاء

یہ سب ہی نگینے لوگ تھے۔جنہوں نے پس پردہ رہ کر بھی ہماری علمی، روحانی اور جسمانی، ذہنی نشوونما میں بے مثل کردار ادا کیا ہے۔یہ سب ہی سادگی اور پُروقار انسانیت کا مرقع تھے۔

مسجد حسن اقبال

مکرم میر داؤد احمد صاحب کے ایک دوست مکرم حسن اقبال صاحب لندن میں رہتے تھے۔ایک دفعہ وہ ربوہ میں جامعہ احمدیہ میں تشریف لائے۔انہوں نے جامعہ احمدیہ میں باقاعدہ مسجد بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔جس کی انہیں اجازت مل گئی۔اللہ کے فضل سے انہوں نے اپنے ذاتی خرچ پر ایک خوبصورت سی مسجد تعمیر کی۔

چند سال قبل مکرم حسن اقبال صاحب کا لندن میں وصال ہوا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس نے ازراہ شفقت ان کا ذکر خیر فرمایا اور نماز جنازہ بھی ادا فرمائی۔

ناصر ہاسٹل جامعہ احمدیہ

ناصر ہاسٹل میں طلبہ کی عمومی نگرانی ،علمی ،جسمانی اور دیگر تربیتی ضروریات کے پیش نظر بزرگ اساتذہ کرام مکرم ملک مبارک احمد صاحب ،مکرم محمد احمد صاحب جلیل ،مکرم نورالحق صاحب تنویر اور مکرم محمد دین ناز صاحب جیسے بزرگ مقرر تھے۔جو کمال پیار محبت اور تندہی کے ساتھ اپنا فریضہ ادا فرمایا کرتے تھے۔ان کی معاونت کے لئے پریفیکٹس ہوتے تھے۔

ناصر ہاسٹل میں میسرہ آسائشیں

جامعہ احمدیہ کے شمال مشرق میں ایک وسیع وعریض کمپاؤنڈ تھا۔جس کے مین انٹرنس پر سپرنٹنڈنٹ صاحب ہاسٹل کا ایک سادہ سا آفس ہوتا تھا۔اس بلڈنگ کے شمال مشرقی جانب شرقاً غرباً بڑے بڑے چھ کمرے ہوتے تھے۔جن کی کھڑکیاں شمال کی

جانب کھلتی تھیں۔ جہاں سے طلبہ آتی جاتی ٹرینوں کا نظارہ کرلیا کیا کرتے تھے۔ان کمروں کے سامنے ایک کوریڈور ہوتا تھا۔کوریڈور کے عین سامنے چھوٹے کمرے تھے جن میں حسب ضرورت دو سے چار تک طلبہ کا قیام ہوتا تھا۔ان کمروں کے مابین ایک درمیانہ سا ہال نما کمرہ تھا جس میں نمازیں ہوتی تھیں۔موسم گرما میں شدت حرارت کے پیش نظر بیرونی گیٹ کے قریب صحن میں ہی مصلے بچھا کر نماز مغرب اور عشاء ادا کی جاتی تھیں۔اس احاطہ کے مغربی جانب،شمال کی طرف مختصر سا کچن اوراس کے ساتھ ہی ڈائننگ ہال ہوتا تھا۔اس کی دوسری جانب سینئر طلبہ کے لئے کی وبیکلز بنے ہوئے تھے۔جن میں ہر ایک کمرہ میں ایک ایک طالب علم رہتا تھا۔

طہارت خانے، غسل خانے اور بیوت الخلاء

ناصر ہاسٹل میں ڈائننگ ہال کے قریب ایک جانب چھ غسل خانے تھے۔ جہاں گرمیوں میں سخت گرم اور موسم سرما میں یخ بستہ پانی ہوتا تھا۔موسم سرما میں نہانا جوئے شیر لانے کے برابر ہوتا تھا۔ یہ پانی نمکین ہوتا تھا۔ یہاں سوائے لائف بوائے صابن کے کسی اور کمپنی کے صابن کی دال نہ گلتی تھی۔ ہاں دلچسپ اتفاق یہ بھی ہے کہ اس پانی میں عام دال بھی نہیں گلتی تھی۔

یاد رہے پینے والا پانی دو ماشکی دوست میٹھے پانی کی مشکیزے اپنے کندھوں پر لاد کر نصرت گرلز کالج کے قریب ٹیوب ویل سے لایا کرتے تھے۔ جسے کھانا پکانے اور پینے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

اس دور کے حالات کو نئی نسل کے لئے بیان کرنا خاصا مشکل اور دشوار کام ہے۔

اس زمانہ میں سہولیات کی کمی کے پیش نظر گھروں سے ہٹ کر کسی قدرے کھلی جگہ پر ٹائلٹ بنائی جاتی تھی۔ جہاں صفائی کرنے والے افراد روزانہ گندگی اٹھایا کرتے تھے۔ عام طور پر ٹائلٹس میں پانی کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ہر کوئی اپنی بدنی صفائی کے لئے پانی بھرا لوٹا اٹھا کر ساتھ لے جاتا تھا۔ جامعہ ہاسٹل میں غالباً پانچ ٹائلٹس تھیں۔ جو ہاسٹل کی عمارت کے باہر قدرے دور بنی ہوئی تھیں۔ علی الصبح سب طلبہ قضائے ضروریہ کے لئے اپنے اپنے لوٹے اٹھائے ٹائلٹس کے قریب اپنی اپنی باری کے انتظار میں کھڑے رہتے۔ یہ محض اس دور کی عکاسی کے پیش نظر لکھ دیا ہے۔

ناصر ہاسٹل کی تعمیر نو

غالباً 1973 میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی شفقت اور منظوری سے اس دور کے اعتبار سے ایک خوبصورت بلڈنگ تعمیر کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں طلبہ کے لئے کافی جدید سہولیات میسر ہوگئیں۔ جن میں کچن، رہائشی کمرے، ڈائننگ ہال کے علاوہ بہت اچھے صاف ستھرے غسل خانے اور بیوت الخلاء وغیرہ بھی شامل تھیں۔

دیگر مہربان خدمت گزار

کچن میں چند دوست شب و روز ہماری میزبانی کے لئے مصروف کار رہتے۔ جن میں بھائی محمد علی صاحب اس ٹیم کے نگران ہوتے تھے۔ ایک مزدور پیشہ ہونے کے باوجود ایک بہت ہی بارعب اور قابل احترام شخصیت تھے۔ اپنے کام میں انہیں بڑی مہارت تھی۔ وہ ہمارے لئے کھانا تیار کیا کرتے تھے۔ اس ٹیم میں مولوی محمد دین صاحب اور بابا ستار صاحب نمایاں کارکنان تھے۔ باقی کئی ایک کارکن آتے جاتے رہتے تھے۔ ہم سب

کے لئے دعا گو اور ممنون احسان ہیں۔

طلبہ جامعہ کا ناشتہ

جامعہ ہاسٹل میں ہمیں ناشتہ میں ایک پراٹھا دیا جاتا تھا جو آٹے اور دہی کو باہم ملا کر تیار کیا جاتا تھا۔اس کے ساتھ آدھ پاؤ دہی ملتی تھی۔دہی کو میٹھا کرنے کی خاطر بعض لاڈلے طلبہ اپنی ذاتی چینی لے آتے تھے۔جب کہ عام طلبہ ڈائیننگ ٹیبل پر موجود نمک مرچ کو دہی میں ڈال لیا کرتے تھے۔جس کا اپنی ہی ایک مزہ ہوتا تھا۔اگر رات کا بچا ہوا سالن بھی مل جاتا تو پھر دہی میں ڈال کر کھانے کا ایک اور ہی لطف ہوتا تھا۔اس دور کی یاد تازہ کرنے کے لئے میں تو آج بھی بسا اوقات ایسا ہی ناشتہ کرتا ہوں۔

جامعہ ہاسٹل میں ناشتہ کے اوقات میں چائے پینے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ہم لوگوں نے جامعہ کے سات سالہ دور میں کبھی بھی ناشتہ میں چائے نہیں پی تھی۔

لنچ اور ڈنر

اس دور میں ملک بھر میں اکثر لوگ بہت ہی سادہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ دستور زمانہ کے موافق جامعہ احمدیہ میں بھی بہت سادہ کھانا ملا کرتا تھا۔اس دور میں بڑا گوشت قدرے سستا ہوتا تھا۔اس کے مقابل پر چھوٹے گوشت کی قیمت دوگنی ہوتی تھی جبکہ مرغی اس سے بھی مہنگی ہوتی تھی۔اس دور میں صرف دیسی مرغی میسر ہوتی تھی۔اس لئے مرغی کا گوشت لوگ بہت ہی کم کھایا کرتے تھے۔بقول شخصے ہم مرغی اس وقت کھایا کرتے تھے جب کبھی ہم بیمار ہوں یا مرغی بیمار ہو۔اس لئے جامعہ ہاسٹل میں عام طور پر دال

گوشت،سبزی گوشت یا سادہ دال بنتی تھی۔دو دن گوشت کا سرکاری ناغہ ہوتا تھا اس لئے ان دو دنوں میں دال یا سبزی وغیرہ تیار کی جاتی تھی۔ایک پلیٹ میں عموماً اکلوتی بوٹی ہوتی تھی۔ہفتہ میں ایک بار بڑی لذیذ کھیر تیار کی جاتی تھی جسے ہم ''ڈش'' کہتے تھے۔اس کا طلبہ کو بڑی شدت سے انتظار ہوتا تھا۔

جامعہ احمدیہ کی ٹک شاپ

جامعہ احاطہ کے داخلی گیٹ کے پاس ہی ایک چھوٹا سا کمرہ ہوتا تھا جسے سب ٹک شاپ کہتے تھے۔اس کے باہر دور تک لکڑی کی کرسیاں اور بنچ لگے ہوتے تھے جہاں پر طلبہ فارغ اوقات میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے اور چائے،دہی اور دیگر لوازمات کے ساتھ اپنے دل بہلاتے۔ہماری ٹک شاپ کی دودھ پتی،دودھ،دہی اور گاجر کا حلوہ ربوہ بھر میں مشہور و مقبول تھا۔جب ہم لوگ جامعہ میں داخل ہوئے تو اس وقت ایک دوست مکرم ارشاد صاحب اس کے مالک تھے۔کچھ عرصہ کے بعد وہ ایک میرو نامی بچے کو بطور مددگار لے کر آ گئے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرو اپنی شبانہ روز محنت اور جانفشانی سے ترقی کرتے کرتے ٹک شاپ کا مالک بن کر امیر خان بن گیا۔

ربوہ کے پاک ماحول کا طلبہ جامعہ احمدیہ کی تربیت میں اہم کردار

یہ وہ روحانی بستی ہے جس کی سرزمین کو خلفائے کرام کی قدم بوسی کا شرف نصیب ہوا ہے۔اس کا روحانی ماحول بذات خود ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتا ہے۔اس شہر کے باسی سو فیصد تعلیم یافتہ ہیں۔ہر امیر و غریب کے لئے یکساں تعلیمی سہولیات میسر ہیں وہ بھی اس کی

دہلیز پر۔ پاکستان بھر میں ربوہ ایسا شہر ہے جس میں سب سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں کیونکہ دنیا بھر میں تبلیغ کے لئے جانے والے ہمارے مبلغین میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ملک کی قومی اور مقامی زبان جانتا ہے۔

پاکستان بھر میں اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی ادھر ہوا کرتے تھے لیکن ان کو بھٹو صاحب کی نظر لگ گئی۔ اس بات کا اندازہ آپ ربوہ اور اس کی مضافاتی بستیوں سے لگا سکتے ہیں۔ اگر ان کا ربوہ سے موازنہ کیا جائے تو ستر سالہ ہمسائیگی کے باوجود ان کی زبان، کلچر، بودو باش اور تہذیب وتمدن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

یہ وہ دور تھا جب ربوہ بھر کے گلی کوچوں میں اطفال اور خدام کی ٹولیاں علی الصبح صَلِّ عَلٰی کی آوازیں بلند کیا کرتی تھیں جس کی گونج سحر کے سناٹے میں دور دور تک سنائی دیتی اور گونجتی تھی۔ جامعہ میں بھی یہ روح پرور روایت جاری تھی۔

ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا بھر میں ربوہ ہی ایسی بستی ہے جو روحانی اعتبار سے ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ امام الزمان کے خلیفہ کا مسکن اور مرکز احمدیت ہونے کے ناطے اسے ایک فقید المثال مقام حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ پنجابی پروگرام کرنے والے مکرم نظام دین صاحب کسی دوست کے ہمراہ ربوہ دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ ربوہ کا ماحول دیکھا، بہت متاثر ہوئے۔ بعد میں کسی نے ان سے پوچھا کہ نظام دین صاحب! بتائیں کہ آپ نے ربوہ میں کیا کچھ دیکھا ہے؟ اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگے کہ ربوہ میں ہر کوئی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ایک دوسرے کو سلام کہنے میں پہل کرتا ہے۔

ربوہ کی مساجد

ایک عزیز لندن سے ربوہ گئے۔ واپس تشریف لائے تو ایک روز کہنے لگے کہ میں نے ربوہ ہی صرف ایسا شہر دیکھا ہے جہاں پر ہر نماز آپ مسجد میں باجماعت ادا کر سکتے ہیں کیونکہ ہر محلہ میں مسجد ہے جہاں اوقات مقررہ پر باجماعت نماز کا اہتمام ہوتا ہے۔ الغرض یہ مسجدوں کا شہر کہلا سکتا ہے۔

بہشتی مقبرہ میں بزرگان کی قبروں کی زیارت

ایک دفعہ ایک غیر ملکی مہمان ربوہ تشریف لائے۔ میزبان نے انہیں ربوہ کا تعارفی وزٹ کرایا۔ اس دوران وہ بہشتی مقبرہ بھی گئے۔ بہشتی مقبرہ کے صاف اور پُرسکون ماحول اور قبروں کی ترتیب و تزئین دیکھ کر بے اختیار کہنے لگے کہ جس قوم کے وفات شدگان اس ترتیب میں ہیں تو ان کے زندہ کس قدر منظم ہونگے۔

جلسہ سالانہ کے روح پرور نظارے

خدام اور انصار کے اجتماعات، علمی اور جسمانی مقابلے، صحابہ کرام، بزرگان اور علماء سے ملاقات اور انکی نصائح نیز مسجد مبارک میں علمائے کرام کے ماہ صیام میں درس القرآن اور مجالس عرفان کے روح پرور نظارے آنکھوں کے سامنے ہیں۔

جامعہ احمدیہ کے طلبہ کی خدمات پر ایک طائرانہ نظر

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم، امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

سیلابوں میں خدام کی جانثاری فقید المثال تھی۔سیلاب کی تباہ کاریوں میں خدام ہتھیلی پر جان رکھ کر متاثرین کی مدد میں جا پہنچتے تھے۔کہیں دوائیاں تقسیم کی جارہی ہیں تو کہیں متاثرہ لوگوں کو کھانا کھلایا جارہا ہے۔

پاک وہند کی جنگ میں مہاجرین کی دادرسی میں خدام شب وروز انسانیت کی خدمت میں سرگرم ہیں۔

جامعہ احمدیہ کے درجہ شاہد کے طلبہ جان کا نذرانہ ہتھیلیوں پر سجائے وطن عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کی خاطر مجاہد فورس میں شامل ہو جاتے تھے۔

موسم برسات میں وبائیں پھیلنے پر خدام سائیکلوں پر قریبی دیہاتوں میں جا کر بنی نوع انسان کی خدمت میں لگ جاتے تھے۔

دامن خلافت سے وابستہ یہ شیدائی مرکز کی حفاظت کے سلسلہ میں ہر دم تازہ اور تیار رہتے۔

غمی یا خوشی کے انتظامات کے موقع پر طلبہ جامعہ احمدیہ سرفہرست ہوتے اور خدمت کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر سب طلبہ اپنے کمرے مہمانوں کو پیش کر کے خود اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جاتے تھے اور ہر قسم کی چھوٹی اور بڑی خدمت کے لئے دل وجان سے حاضر رہتے۔

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ

جامعہ احمدیہ میں طلبہ کی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ان کی ذہنی نشوونما کے ساتھ ان کی جسمانی صحت کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ہر طالب علم کے لئے کسی نہ کسی کھیل

میں شامل ہونا لازمی ہوتا تھا جس کے لئے روزانہ نماز عصر کے بعد کھیلوں کے اوقات مقرر ہوتے تھے۔ ان کھیلوں میں ہر ایک طالب علم کی شمولیت لازمی ہوتی تھی۔ عدم شمولیت قابل مؤاخذہ ہوا کرتی تھی۔

جھپٹنا، پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

جامعہ احمدیہ میں طلبہ کی تعلیمی، تربیتی اور جسمانی نشوونما اور ترقی اور ان میں مقابلہ کی روح پیدا کرنے کے لئے انہیں پانچ گروپس میں تقسیم کر رکھا تھا۔ یہ گروپس صداقت، شجاعت، امانت، رفاقت اور دیانت کہلاتے تھے۔ ان گروپس کے مابین سال بھر علمی اور جسمانی مقابلوں کا دور چلتا رہتا تھا۔ کھیلوں کے سالانہ مقابلہ جات منعقد ہوتے تھے۔ پھر جیتنے والوں کو مہمان خصوصی انعامات دیا کرتے تھے۔ یہ سال بھر کے اہم دنوں میں سے ایک یادگار دن ہوتا تھا۔

جامعہ احمدیہ کے طلبہ کے لئے دوران تعلیم ایک سو بیس میل کا پیدل سفر کرنا لازمی ہوتا تھا۔ اسی طرح پچیس میل کی دوڑ فیصل آباد سے ربوہ تک بھی ہوا کرتی تھی۔ ربوہ سے سرگودھا اور پھر واپس ربوہ تک کا سائیکل ریس کا مقابلہ بھی جامعہ کے اہم مقابلہ جات میں سے ایک تھا۔

صحت جسمانی کے متفرق دلچسپ مقابلہ جات

جامعہ کی کھیلوں کے مقابلہ جات کے علاوہ ربوہ میں بھی دیگر اس نوع کے مقابلے بڑے پیمانے پر منعقد ہوتے تھے جن میں جامعہ کے طلبہ کو شرکت یا کوئی اور خدمت کرنے

کی توفیق ملتی تھی۔

طاہر کبڈی ٹورنامنٹ کے لئے پاکستان بھر سے کبڈی کی ٹیمیں ربوہ آتی تھیں۔ تعلیم الاسلام کالج کے قریب کبھی باسکٹ بال کا میلہ سج جاتا تھا تو کبھی کشتی رانی کے مقابلہ جات منعقد ہوتے تھے جو شائقین کو دریائے چناب پر لے جاتے تھے۔ کبھی گھوڑ دوڑ کے شائقین ربوہ چلے آرہے ہوتے تھے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے گھوڑے اشقر اور گھوڑی لُبنیٰ کا خوب چرچا ہوتا تھا۔

جامعہ کے ایام کی متفرق یادیں

☆ ......حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے کامیاب دورۂ افریقہ سے واپسی پر جامعہ احمدیہ کے احاطہ میں یادگار اور تاریخی دعوت

☆ ......برج نہر پر سالانہ پکنک

☆ ......یکو والا بنگلے پر سالانہ پکنک

☆ ......مبلغین کی آمدورفت ربوہ سٹیشن پر اور وہاں نعرہ ہائے تکبیر کی صدائیں

☆ ......مسجد اقصیٰ کا افتتاح اور پہلے جمعہ کی روح پرور یادیں

☆ ......1974ء کا پُرآشوب دور اور خدام کی ڈیوٹیاں

☆ ......دریائے چناب پر پکنک اور کشتی رانی کے مقابلے

جمیل صاحب (دھوبی) کا حافظہ

جامعہ احمدیہ کے ہاسٹل میں ایک دھوبی جمیل لالیاں سے آیا کرتا تھا۔ بہت ہی

محنتی اور جفا کش انسان تھا۔ وہ جامعہ کے طلبہ کے علاوہ ربوہ میں دیگر کئی لوگوں کے بھی کپڑے دھویا کرتا تھا۔ حیرانگی کی بات یہ تھی کہ سینکڑوں کپڑے بڑی ترتیب کے ساتھ ہر کسی کو دیتا تھا۔ آپ کی شکل دیکھ کر فوراً آپ کو آپ کے کپڑے دے دیتا تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا سیاہ رنگ کا پتھر ہوتا تھا جسے وہ سوئی نما چیز کے ساتھ رگڑ کر ہر کسی کے کپڑے پر نشان لگا دیتا تھا۔ پھر نہ جانے وہ کیسے ہر کسی کو اس کے کپڑے تھما دیتا تھا۔

چند دلچسپ اور ایمان افروز واقعات

جامعہ احمدیہ ربوہ کے بارے میں ایک نومبائع کے تاثرات کچھ یوں تھے کہ جس دور میں خاکسار سینیگال کے دارالحکومت ڈاکار میں بطور مربی سلسلہ مقیم تھا تو وہاں ایک روز میرے پاس ایک احمدی دوست مکرم رفیق چانن صاحب تشریف لائے۔ ان کا تعلق سوئٹزرلینڈ سے تھا۔ یہ ایک عرب ملک میں کسی این جی او کے لئے خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

میں نے اس معزز مہمان کے اعزاز میں احباب جماعت کے ساتھ ایک میٹنگ کا اہتمام کیا جس میں ڈاکار شہر میں مقیم احمدی دوست تشریف لائے۔ میں نے مکرم رفیق چانن صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنے قبول احمدیت کا واقعہ بیان فرمائیں نیز اپنے سفر احمدیت کے بارہ میں چند ایمان افروز واقعات بھی بتائیں۔ مکرم چانن صاحب نے بہت ہی خوبصورت اور روح پرور واقعات بیان فرمائے۔

ایک واقعہ کچھ یوں بتایا کہ جب میں پہلی بار ربوہ گیا تھا تو اس وقت تک میں نے بیعت نہیں کی تھی۔ یہ میرا ایک تحقیقی دورہ تھا۔ مجھے جماعتی نظام کے تحت ربوہ کے اہم

مقامات پر لے جایا گیا اوران مقامات کی تاریخی اہمیت کے بارے میں بتایا گیا۔اسی سلسلہ میں جامعہ احمدیہ میں بھی جانے کا موقع ملا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ ہمارادینی تعلیمی ادارہ ہے جہاں کے فارغ التحصیل نوجوان انشاءاللہ تعالیٰ دُنیا بھر میں غلبۂ اسلام کی مہم سر کریں گے۔

میں نے دیکھا کہ ان طلبہ کا معیار زندگی، بودو باش اور وضع قطع بہت ہی سادہ تھی۔ بظاہر لگتا تھا کہ ان کو تو مناسب بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں ہیں۔جامعہ میں موجود سہولیات دنیا میں موجود معروف تعلیمی اداروں کے مقابل پر نہ ہونے کے برابر تھیں کہنے لگے کہ میزبان کے کلمات سن کر اس کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ان کی خوش فہمی جان کر خاموشی میں ہی مصلحت جانی۔لیکن قبول احمدیت کے بعد اللہ کے فضل سے کسب معاش کے سلسلہ میں مجھے بہت سے مما لک میں جانے کی توفیق مل رہی ہے۔ جہاں کہیں بھی جاتا ہوں تو میں دیکھ رہا ہوں کہ اس ادارہ کے فارغ التحصیل طلبہ بفضل ایزدی ایسے ایسے کارنامے سرانجام دے رہے ہیں کہ ان کے سامنے عالمی شہرت یافتہ اداروں سے فارغ التحصیل طلبہ بھی علمی اور تبلیغی میدان میں بے بس اورلاچار نظر آتے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

چارآنے عیاشی

آج کے دور کا اس دور سے مقابلہ ظاہری طور پر تو ممکن نہیں ہے۔ہاں ہم اس دور میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر تو ادا کر سکتے ہیں۔وہ بہت سادہ زمانہ تھا۔ہم میں سے بیشتر طلبہ کی مالی کشائش نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔سفید پوشی اور بھرم رکھنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا تھا۔ہمیں جامعہ کی طرف سے ماہانہ وظیفہ تیس روپے ملتا تھا جس میں

سے ہاسٹل کے کھانے کا بل بھی دینا ہوتا تھا۔ ہمارے ایک دوست تھے جو اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں درازیٔ عمر سے نوازے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنا ہفتہ وار بجٹ تیار کیا۔اس میں بنیادی ضروریات لکھیں اور درمیان میں لکھا۔ چار آنے عیاشی۔ بریکٹ میں لکھا ''مونگ پھلی''۔اس واقعہ سے اس دور کی معاشی صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے نیز اس دور میں روپے کی قدرو قیمت کا بھی علم ہوجا تا ہے۔

جذبۂ خدمت دین

یہ ایک بہت سرد رات کا واقعہ ہے جب تعلیم الاسلام کالج میں ایک مشاعرہ ہورہا تھا۔ میں بھی ادھر چلا گیا۔تقریباً رات گیارہ بجے میں نے کالج کی گری ہوئی دیوار کراس کی پھر ہائی سکول سے گزر کر جامعہ احمدیہ کے احاطہ میں داخل ہوگیا اور چلتے چلتے میں جامعہ کی بلڈنگ کے قریب فوارے کے پاس پہنچ گیا۔

اچانک دائیں طرف سے سائیکل چلنے کی آواز قریب آنی شروع ہوئی۔ میں حیران ہورہا تھا کہ اس وقت اتنی رات گئے کون سائیکل پر ادھر آسکتا ہے؟ اتنے میں ایک بارعب مانوس آواز فضا میں گونجی۔''السلام علیکم''۔ یہ آواز مکرم سید میر داؤد احمد صاحب مرحوم پرنسپل جامعہ احمدیہ کی تھی۔ میرے تو خوف سے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ میر صاحب مرحوم کا، باوجود محبت اور شفقت کے طلبہ پر رعب بھی بہت تھا۔

خاکسار نے وعلیکم السلام کہا۔اب میر صاحب نے فرمایا کہ میرے دفتر میں آؤ۔اب تو اور زیادہ پریشانی ہوئی کہ نہ معلوم میر صاحب کیا کہیں گے۔

خیر! میر صاحب نے سائیکل ایک طرف کھڑی کی۔ اپنے دفتر کا دروازہ کھولا اور

اندر تشریف لے گئے۔تھوڑی دیر بعد میں بھی اندر چلا گیا۔میر صاحب نے استفسار فرمایا کہ اس وقت کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کی کہ کالج میں مشاعرہ ہو رہا تھا میں ادھر مشاعرہ سننے گیا تھا۔آپ مسکرائے اور فرمانے لگے کہ آپ کو بھی مشاعرہ سننے کا شوق ہے؟ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو فرمانے لگے کہ بیٹھ جاؤ۔ میں سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔اس وقت میر صاحب پینٹ شرٹ میں ملبوس تھے۔سر پر ایک سفید رنگ کی پٹی باندھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں تکلیف کے آثار نمایاں نظر آتے تھے۔آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری لکھائی کیسی ہے؟ میں نے عرض کی کہ کوئی خاص نہیں۔فرمانے لگے کہ آپ کی رہائش کدھر ہے؟ میں نے عرض کی کہ دارالبرکات میں کچھ طلبہ کرایہ کے کمرے میں رہ رہے ہیں، وہاں رہتا ہوں۔اس زمانہ میں ناصر ہاسٹل کی نئی بلڈنگ زیر تعمیر تھی۔

آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے ساتھ مزید پانچ طلبہ کو بلا کر لاؤ۔ان میں سے کم از کم تین خوش خط ہوں۔

تعمیل ارشاد میں مَیں ہاسٹل میں گیا اور مکرم عبدالباسط صاحب طارق، مکرم مقصود احمد صاحب قمر، مکرم محمد اکرم باجوہ صاحب اور باقی دو دوستوں کے نام یاد نہیں رہے، ان کے ہمراہ مکرم میر صاحب کے دفتر میں حاضر ہو گیا۔

مکرم میر صاحب نے کچھ کاغذات ہمیں دیئے اور فرمایا کہ آپ میں سے تین یہ صفحات پڑھیں اور دیگر تین اسے لکھتے جائیں۔دراصل یہ کوئی بہت ہی اہم مسودہ تھا جس کی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کو فوری ضرورت تھی۔حضور رحمہ اللہ نے یہ کام مکرم میر صاحب کو تفویض فرمایا ہوا تھا۔اس وجہ سے میر صاحب اس سرد رات میں دیر تک باوجود بیماری کے کام میں مشغول تھے۔

مکرم میر صاحب نے فرمایا کہ جا کر مکرم عبدالرزاق صاحب پی ٹی آئی کو بلا لائیں۔اس زمانہ میں فون کی ایسی سہولت تو میسر نہ تھی کہ فون کرتے اور وہ آجاتے۔ جامعہ کے احاطہ میں ہی ان کا کوارٹر ہوا کرتا تھا۔ رات گئے انہیں جا کر اٹھایا اور میر صاحب کا پیغام دیا۔ وہ فوراً تشریف لے آئے۔ میر صاحب نے فرمایا رزاق صاحب! انہیں چائے تو پلا دیں۔ رزاق صاحب نے چائے بنائی۔ چینی الگ پیش کی گئی۔ عبدالباسط طارق صاحب نے چینی کے چمچہ کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میر صاحب نے فرمایا: ''باسط! آپ چینی کو ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' باسط صاحب کہنے لگے: بڑے عرصہ کے بعد چینی کی زیارت ہوئی ہے پھر نہ جانے کب دوبارہ دیکھنے کو ملے۔ دراصل اس دور میں چینی بازار میں نہیں ملتی تھی۔ بلکہ کوٹہ سسٹم کے تحت کارڈ پر ملتی تھی۔ میر صاحب اس بات پر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ کل سب کو ایک ایک کلو چینی دی جائے۔ خیر رات گئے کام ختم ہوا اور ہم اپنے گھروں کو چل دئے۔

اندوہناک سانحہ

جس رات مکرم میر صاحب کے لئے ہم کام کررہے تھے۔ مکرم میر صاحب نے اپنے سر پر ایک رومال نما پٹی باندھ رکھی تھی، جو اس بات کی غماز تھی کہ آپ کو شدید سر درد ہے۔ لیکن اس کے باوجود اطاعت خلافت میں رات بھر کام کرتے رہے۔

اگلے روز جامعہ کی سالانہ کھیلوں کا آخری دن تھا۔ جس کے بعد تقسیم انعامات کی تقریب تھی۔ ربوہ بھر سے مہمان اور شائقین آئے ہوئے تھے۔ پھر ایک واقعہ پیش آیا جس کا مکرم میر صاحب کی طبیعت پر بہت ہی ناخوشگوار اثر ہوا۔ میر صاحب نے سائیکل پکڑی

اور گھر تشریف لے گئے۔ اس سے اگلے روز مکرم میر صاحب شدید بیمار ہو گئے۔ آپ کو راولپنڈی لے جایا گیا۔ جہاں کچھ دنوں بعد آپ اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

احباب جماعت کے دلوں میں واقفین کے لئے محبت اور احترام

خاکسار جب جامعہ احمدیہ درجہ ثانیہ کا طالب علم تھا تو ایک دفعہ شدید بیمار ہو گیا۔ پہلے تو ربوہ سے مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں سے علاج کروایا، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ مکرم پرنسپل صاحب جامعہ احمدیہ سے رخصت حاصل کی تا کہ اپنے آبائی گاؤں جا کر والدین کے پاس رہ کر علاج وغیرہ کراؤں۔

وہاں گجرات شہر کے بعض ڈاکٹر صاحبان سے علاج کرایا گیا مگر کوئی فرق نہ پڑا۔ بیماری کے باعث بدن بہت لاغر ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ہم سب بہت پریشان تھے۔

ایک روز مکرم محمد دین صاحب مربی سلسلہ جو ان دنوں گجرات شہر میں بطور مربی متعین تھے ہمارے گاؤں تشریف لائے۔ خاکسار کے پرانے ملنے والے تھے اور ان سے جامعہ کے حوالہ سے بھی ایک تعلق تھا۔ مجھے دیکھ کر بہت پریشان ہو گئے اور فرمانے لگے کہ تم ابھی تیار ہو جاؤ میں تمہیں جہلم بھجوا رہا ہوں۔ ان دنوں ایک بہت ہی مخلص احمدی ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب جہلم ہسپتال کے انچارج تھے آپ نے ایک رقعہ ان کے نام لکھا۔ جس میں میرا تعارف کرایا اور جہلم بھجوانے کی غرض تحریر کی۔

اگلے روز میں جہلم کے سرکاری ہسپتال میں مکرم ڈاکٹر صاحب کے کلینک کا پتہ کرتے کراتے پہنچ گیا۔ دربان نے رش کی وجہ سے اندر جانے سے روک دیا۔ میں نے

دربان کو وہ خط دیا اور استدعا کی کہ از راہ کرم یہ خط مکرم ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دو۔

خط دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے فوراً اندر بلا لیا۔ بڑے ہی پیار اور شفقت سے پیش آئے۔ایک نرس کو بلایا اور اسے ہدایات دیں کہ فوری طور پر اس مریض کو اسپتال میں داخل کر لیں اور فلاں فلاں ٹیسٹ کر کے مجھے رپورٹ دیں۔ میں تو صرف چیک اپ کی غرض سے گیا تھا اور خیال تھا کہ ایک دو دن کے بعد گھر واپس آجاؤں گا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت دیں تو میں گھر جا کر کسی عزیز کو ساتھ لے آؤں جو میری دیکھ بھال کرے۔ نیز اپنے والدین کو بھی ساری صورت حال سے آگاہ کر دوں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کسی ذریعہ سے اپنے گھر اطلاع کر دیں کہ میں ہسپتال میں داخل ہو گیا ہوں اور کسی کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں یہاں پر میں ہی آپ کا سب کچھ ہوں اور میں ہی آپ کی دیکھ بھال کروں گا اور آپ کا کھانا میرے گھر سے آئے گا۔ ہاں اگر دل چاہے تو گھر آ کر بھی کھانا کھا سکتے ہیں۔

خیر ڈاکٹر صاحب کے اس حسن سلوک اور پیار و محبت نے جس کی مثال دنیا میں کم ہی ملتی ہے مجھے وہاں روک لیا۔

دس روز تک خاکسار کا خصوصی علاج کیا گیا۔ روزانہ چیک اپ کیا جاتا۔ کئی بار ٹیسٹ کئے گئے۔ ہر ممکنہ خیال رکھا گیا۔خوراک بہت اچھی مل رہی تھیں جو ڈاکٹر صاحب کے گھر سے آتی تھی۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے فضل اور ڈاکٹر صاحب کی محنت اور کوشش سے بیماری سے بہت جلد شفاء عطا فرمائی۔

ایک دن ایک اور ڈاکٹر صاحب مجھے کہنے لگے۔ کیا ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب

آپ کے کوئی قریبی عزیز ہیں جو اس قدر آپ کا خیال رکھتے ہیں ۔میں نے جواب دیا۔ ہاں بہت بڑا رشتہ ہے جو عام خونی رشتوں سے بہت بالا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

چینی سفیر کی حب الوطنی

اپریل 1974ء کی بات ہے۔ربوہ میں ایک چینی سفیر تشریف لائے۔شہر بھر کے اہم مقامات کو پاکستان اور چین کی خوشنما جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ زیارت ربوہ کے متفرق پروگراموں میں جامعہ احمدیہ کا وزٹ بھی شامل تھا۔ جملہ طلبہ، جامعہ احمدیہ کی عمارت کے سامنے مہمان کا استقبال کرنے کے لئے صف آراء تھے۔

جب سفیر صاحب تشریف لائے اور ہمارے قریب پہنچے تو اتفاق سے ایک جھنڈی کسی طرح زمین پر گرگئی۔انہوں نے آگے بڑھ کر اس جھنڈی کو اٹھایا۔اسے جھاڑا اور پھر تہہ کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔چینی سفیر کی حب الوطنی کا یہ نظارہ آج بھی میرے دل ودماغ میں نقش ہے۔

شاہ فیصل آف سعودیہ کا قتل

1973ء میں بھٹو صاحب کے دور حکومت میں لاہور پاکستان میں اسلامی سربراہی کانفرس کا انعقاد ہوا۔جس میں عالم اسلام کے جملہ سربراہان تشریف لائے۔جس میں عالم اسلام کے اہم مسائل پر بحث وتمحیث ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی اجلاس میں شاہ فیصل کو خلیفہ اسلام بنانے کا بھی پروگرام بنایا گیا۔ واللہ اعلم۔جس کے بعد 1974ء میں

پاکستان بھر میں اینٹی احمدیہ خونی تحریک شروع کی گئی۔جس میں بہت سارے احمدیوں کو شہید کردیا گیا، جائیدادیں لوٹی گئیں، مکان جلائے گئے۔ملک بھر میں منظم طور پر چلنے والی ایک تحریک کے نتیجہ میں احمدیوں کودائرہ اسلام سے خارج کردیا گیا۔لیکن تقدیرالٰہی دیکھیں اسی سال میں عین عید کے دن شاہ فیصل کے اپنے ہی ایک بھتیجے نے اسے گولی مار کرقتل کردیا۔

امدادالرحمان بنگالی صاحب کا ثبات قدم

پاک وہند جنگ کے بعد بنگلہ دیش نے جنم لیا۔مغربی پاکستان کی افواج مشرقی پاکستان میں مصروف عمل تھیں ،اسی طرح مشرقی پاکستان کے کئی ایک فوجی جوان اور افسران کی تعیناتی مغربی پاکستان میں تھی۔جب مشرقی پاکستان نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا،تومغربی پاکستان میں مقیم بنگالی فوجیوں کو بنگلہ دیش جانے کی اجازت مل گئی،جس پروہ اپنے ملک جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔

بنگلہ دیش کے معرض وجود میں آنے سے چند سال قبل ایک نوجوان مکرم امداد الرحمان صاحب کو بیعت کرکے احمدیت میں شامل ہونے کی توفیق ملی۔ انہوں نے اپنے آپ کو وقف کردیا اور حصول تعلیم کے لئے جامعہ احمدیہ ربوہ میں تشریف لے آئے۔ لیکن جلد ہی تقسیم ملک کی وجہ سے آگ کے شعلے بلند ہونے شروع ہوئے۔

انہی ایام میں ایک دن شام کے وقت ایک فوجی جیپ جامعہ احمدیہ کے ہاسٹل کے گیٹ پر آئی،جس میں دونوجوان فوجی افسر تھے،یہ دونوں نوجوان افسر مکرم امداد صاحب کے بھائی تھے۔انہوں نے بتایا کہ اب انہیں واپس بنگلہ دیش جانے کا ارشاد ہوگیا ہے،اس لیے آپ بھی ہمارے ساتھ واپس چلیں۔ یہاں رہ کرآپ کیا کریں گے۔مولوی

بن کر کیا کریں گے۔ ہم آپ کو فوج میں بھرتی کرا دیں گے۔ کافی تگ و دو اور منت و سماجت کے باوجود بھی جب امداد صاحب نہ مانے تو بالآخر دونوں بھائی مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ یاد رہے مکرم امداد الرحمان صاحب اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے۔ اللہ کے فضل سے امداد صاحب نے کمال استقامت کے ساتھ دین کو دنیا پر مقدم رکھا۔ آپ آجکل جامعہ احمدیہ بنگلہ دیش میں بطور پرنسپل خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

مبارک احمد صاحب بھٹی شہید

1971ء کی بات ہے۔ پاک و ہند جنگ ہو رہی تھی۔ جماعت احمدیہ کا ہر فرد حب الوطنی کے جذبہ کے تحت مادر وطن کی حفاظت کے لئے تن من دھن کو قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ جامعہ احمدیہ کی شاہد کلاس کو حضور رحمہ اللہ کے ارشاد کے تحت مجاہد فورس میں بھرتی ہونے کا ارشاد ہوا۔ جس پر پوری کلاس مجاہد فورس میں شامل ہو گئی۔ باقاعدہ ٹریننگ کے بعد انہیں وطن عزیز کی حفاظت پر متعین کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک نوجوان مکرم مبارک احمد بھٹی صاحب کو اس خدمت کے دوران اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس شہید کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ اس ادارہ (جامعہ احمدیہ) کو دن دگنی رات چگنی ترقیات سے نوازے اور یہاں ایسے مربیان و مبلغین تیار ہوں حضرت مسیح الزمان علیہ السلام کے مشن کی تکمیل کی خاطر جان و دل سے فدا ہوں۔ اللھم آمین

(مرسلہ: منور احمد خورشید مربی سلسلہ انگلستان)

میدان عمل میں۔سیالکوٹ

جامعہ احمدیہ سے شاہد کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ہمیں مختلف دفاتر میں جانے کا اتفاق ہوا۔جس کے بعد ہمیں نظارتِ اصلاح ارشاد مقامی میں بھیج دیا گیا۔وہاں مکرم احمد خان نسیم صاحب ناظر اصلاح وارشاد مقامی تھے۔ان کے ساتھ بطورِ نائب ناظر مکرم نورالحق انور صاحب خدمات سرانجام دے رہے تھے۔جنہوں نے میری پہلی تقرری سیالکوٹ ضلع کے ایک قصبہ قلعہ کالروالا میں کی۔

ارضِ سیالکوٹ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک عرصہ تک سیالکوٹ میں الٰہی منشا کے تحت ملازمت کرنے کا موقع ملا۔جب آپ علیہ السلام نے اعلان مہدویت فرمایا۔تب اسی علاقہ سے ایک بڑی تعداد کو آپ کی بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔کیونکہ ان لوگوں نے آپ علیہ السلام کے وجودِ باجُود اور اخلاق عالیہ کو بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔جس کی وجہ سے انہیں قبول حق میں آسانی ہوگئی۔یاد رہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سیالکوٹ کو اپنا وطنِ ثانی قرار دیا ہے۔

سیالکوٹ ضلع میں مربیان

جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد جملہ مربیان کی تقرری اصلاح وارشاد مقامی میں ہوتی ہے۔مقامی اصلاح وارشاد کے ماتحت ربوہ کے قریبی اضلاع سرگودھا،

فیصل آباد، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور سیالکوٹ ہوا کرتے تھے۔ خاکسار کی تقرری بطورِ مربی، قلعہ کالروالا میں ہوئی۔ یہ قصبہ ضلع سیالکوٹ کی تحصیل پسرور میں واقع ہے۔

اس دور میں مربی ضلع سیالکوٹ مکرم عزیز الرحمان صاحب منگلا ہوا کرتے تھے۔ جو ایک معروف عالمِ دین تھے۔ ان کے ہمراہ مکرم محمد اعظم اکسیر صاحب نارووال کے علاقہ میں تھے۔ بعدازاں ہماری کلاس میں سے مکرم عبدالرشید یحییٰ صاحب کی تقرری ڈسکہ میں ہوئی جبکہ مکرم لئیق احمد منیر صاحب کی تقرری ایک گاؤں بن باجوہ اور بعد میں گھٹیالیاں میں کردی گئی۔

قلعہ کالروالا

قلعہ کالروالا اپنے علاقہ میں ایک خاصا بڑا تجارتی مرکز ہے۔ یہاں ماشاءاللہ ایک بڑی فعال جماعت ہے۔ ان دنوں مکرم سیٹھ محمد امین صاحب یہاں صدر جماعت تھے۔ دیگر اہم شخصیات میں رانا منظور احمد صاحب، ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب، شیخ فتح محمد صاحب، شیخ طفیل احمد صاحب، چوہدری محمد صادق صاحب، رانا شبیر احمد صاحب، چوہدری نصیر احمد صاحب نمبردار، چوہدری بشیر اللہ صاحب، چوہدری عزیز اللہ صاحب، رانا وسیم احمد صاحب اور دیگر دوست ہیں جن کے اسماء گرامی اب ذہنِ ناتواں میں مستحضر نہیں ہیں۔ مسافت کے اعتبار سے بھی قلعہ کالروالا کا علاقہ قادیان سے زیادہ دور نہیں ہے۔

اس لئے ابتدائی دور میں بیشتر لوگ پیدل ہی قادیان چلے جایا کرتے تھے۔ قلعہ سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر داتا زیدکا، کا تاریخی گاؤں ہے۔ جو حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی والدہ محترمہ کا مولد ہے۔ چوہدری صاحب اکثر یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

اس حلقہ کے امیر مکرم چوہدری سر ظفر اللہ صاحب کے ماموں زاد بھائی چوہدری بشیر احمد صاحب تھے۔داتا زید کا سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر جماعت احمد یہ گھٹیالیاں ہے۔جو اس علاقہ کی بڑی معروف جماعت ہے۔یہاں پر کسی زمانہ میں جماعت احمدیہ کا مدرسہ اور کالج ہوا کرتا تھا۔

اس حلقہ میں چند معروف جماعتیں

میرے حلقہ میں بہت ساری جماعتیں تھیں جن میں سے چند ایک کے نام پیش خدمت ہیں۔مالو کے بگھت ، کوٹ آغا، گھنو کے ججہ، اوچا ججہ، پڑھال، داتا زیدکا، گھٹیالیاں، چندر کے مگولے،اور میانوالی خانانوالی وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات پر احمدی احباب تھے۔جن کے نام اب یاد نہیں ہیں۔اس کے بعد بدوملہی اور نارووال کے حلقوں میں بھی کافی بڑی اور فعال جماعتیں تھیں۔پاکستان بھر میں یہ ایسا علاقہ ہے جہاں جماعتیں عددی اور دنیاوی لحاظ سے خاصی مضبوط اور بااثر ہیں۔

قوتِ برداشت اور مذہبی رواداری

اس دور میں صبر و تحمل، برداشت اور شرافت کسی حد تک زندہ تھی۔لوگ باوجود عقیدہ کے اختلاف کے بھی ایک دوسرے کی غمی،خوشی میں شریک ہوتے تھے۔قلعہ کالروالا جماعت میں ایک معلم مکرم محمد شریف صاحب ہوتے تھے۔بہت ہی شریف النفس دوست تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں لحنِ داؤدی سے نوازا ہوا تھا۔جب وہ اذان دیا کرتے تھے۔تو

ان کی آواز دور دور تک سنائی دیتی تھی۔نمازِ فجر کے بعد لاؤڈ سپیکر پر درس دیتے، جسے احمدی اورغیر احمدی اپنے اپنے کھیتوں میں کام کے دوران بھی سنتے تھے اور اکثر اس کی تعریف بھی کرتے۔

جہاں پھول وہاں کانٹا

ہر قوم و ملک میں جہاں اچھے اخلاق کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہاں بعض ناسور بھی ہوتے ہیں۔جن کے تعفن سے سارا ماحول بد بودار ہو جاتا ہے۔

مالوکے کے قریب ایک گاؤں میں ایک دوست محمد شریف نامی رہتے تھے۔ بڑے مخلص اور فدائی احمدی تھے۔ اپنے گاؤں میں اکیلے ہی احمدی تھے۔ان کے گاؤں میں بعض لوگ انہیں بہت تنگ کرتے ۔ یہ اکیلے ہی ان کا مقابلہ کرتے۔ بات چیت ہوتی رہتی۔ چونکہ مخالفین کے پاس نہ تو علم ہوتا ہے اور نہ دلیل۔ آخر میں وہ اوچھے ہتھیاروں پر آجاتے ہیں۔ ایک روز ان کے گاؤں والوں نے انہیں کہا۔اب ہم اپنے حق و باطل کا فیصلہ کرنے لئے ایسا کرتے ہیں۔ ایک بڑا کڑاھ (وہ بڑا سا برتن جس میں گُڑ بناتے ہیں) لیتے ہیں۔اس میں تیل ڈال کر، کھولا کر اسمیں فریقین کو دجائیں گے۔ جو حق پر ہوگا۔اس کی صداقت ظاہر ہو جائے گی۔ جو ہلاک ہو جائے گا اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔احمدی دوست اس پر تیار ہو گئے۔لیکن بعد میں انہیں سمجھایا گیا کہ یہ دشمنوں کا ایک خطرناک پلان ہے۔ کیونکہ ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ خود تو اس میں نہیں کو دیں گے، صرف آپ کو اس میں پھینک دیں گے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمادی۔

ایسے کی تیسی

ایک احمدی نوجوان جو سیالکوٹ کالج میں زیر تعلیم تھے۔ سب کو علم تھا کہ وہ احمدی ہیں۔ اس لئے باقی طلبہ جماعتی لحاظ سے مختلف اعتراضات کرتے رہتے۔ خاص طور پر مسئلہ وفاتِ مسیح پر بحث ہوتی۔ جب احمدی دوست انہیں دلائل میں لاجواب کر دیتا تو آخر میں وہ کہہ دیتے۔ کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اب احمدی کہتا۔ ہاں قادر ہے۔ وہ کہتے، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر لے گیا۔

یہ اب ان کا روزمرّہ کا طریق بن گیا۔ ہمیشہ اسی نقطہ پر بحث بند ہو جاتی۔ ایک دن نوجوان کالج گیا۔ پھر وہی بحث شروع ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا تم خدا کو قادر نہیں مانتے۔ احمدی نوجوان نے کہا۔ میں اللہ کو ہر چیز پر قادر نہیں مانتا۔ اس پر انہوں نے شور ڈال دیا۔ دیکھو یہ کافر ہے جو خدا کو قادر نہیں مانتا۔ اس پر احمدی طالبعلم نے کہا۔ پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ پھر جو چاہے فیصلہ کر لینا۔ احمدی نے کہا۔ میرے خیال میں، خدا ہر چیز پر قادر نہیں ہے۔ آپ بتائیں، کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے کہنے لگے نہیں۔ احمدی نے کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ اب ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس پر احمدی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہر چیز پر قادر ہے۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر نہیں جا سکتے کیونکہ یہ اس کی سنت کے خلاف ہے۔

ایک یادگار وقارِ عمل

قلعہ کالروالا سے تھوڑے فاصلے پر مالو کے گاؤں کے قریب ایک نہر بہتی ہے۔

وہاں سے ایک کچی سڑک قلعہ کو آتی ہے۔ بارشوں کا موسم تھا۔ سیلاب کے پانی کیوجہ سے وہ سڑک بہہ گئی۔ جس کی وجہ سے وہاں سے گزرنا بہت ہی مشکل ہوگیا۔ ایک روز، میں قلعہ کے بس سٹاپ کی جانب جارہا تھا۔ راستہ میں ایک غیراز جماعت دوست کی فارمیسی تھی۔ یہ ایک سیاسی اور سماجی کارکن تھے۔ میرا بڑا احترام کرتے تھے۔ میں ان کی فارمیسی کے سامنے سے گزرا۔ انہوں نے جب مجھے دیکھا۔ مجھے آواز دی۔ مربّی صاحب۔ ذرا ادھر تشریف لائیں۔ میں ان کے پاس گیا۔ کہنے لگے مربّی صاحب میں ربوہ میں آپ کے خلاف شکایت کرنے والا ہوں۔ میں نے عرض کی بڑے شوق سے، لیکن مجھے بتا تو دیں، مسئلہ کیا ہے؟ کہنے لگے آپ دیکھتے نہیں کہ نہروالی سڑک ٹوٹ چکی ہے۔ عوام کو آنے جانے میں بہت تکلیف ہورہی ہے۔ خاص طور پر عورتوں کو وہاں سے گزرنے میں بہت مشکل پیش آرہی ہے۔ آپ کو اس بات کا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔ میں ان کا مقصد سمجھ گیا۔ میں نے کہا آپ فکر نہ کریں، چند دن میں یہ کام ہوجائے گا۔ میں نے خدام کے ذریعہ سے قریبی سب جماعتوں کو ایک پُرزور تحریک کی کہ سب خدّام، انصار اور اطفال فلاں دن اس جگہ پروقارِعمل کے لئے کارِخیر میں شریک ہوں۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی فدائی جماعت نے **تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى** کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ انسانی عقل حیران ہوجاتی ہے۔ سینکڑوں احمدی اپنے سازوسامان کے ساتھ تشریف لے آئے۔ بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ پورے دن کی محنت سے اس رستہ کو چلنے کے قابل بنادیا۔ فجزاھم اللہ

میرے محسن میزبان

جب میں قلعہ کالروالا میں پہنچا۔ ان دنوں میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ مسجد میں

ایک جماعتی کوارٹر تھا۔جس میں مکرّم معلّم صاحب کی فیملی رہائش پذیر تھی۔ مجھے مسجد کی بالائی منزل پر لجنہ ہال میں رہنے کا ارشاد ہوا۔اب کچن نہ ہونے کی وجہ سے کھانے کا مسئلہ تھامقامی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ میں باری باری احبابِ جماعت کے ہاں کھانا کھایا کروں میں نے کہا یہ تو میرے لئے ممکن نہیں ہے۔آپ فکر نہ کریں۔میں بازار سے کھالیا کرونگا۔اس پر کافی بحث ہوئی۔مختلف احباب نے یہ پیشکش کی کہ میں ان کے ہاں جا کر کھانا کھالیا کروں۔لیکن دل نہیں مانتا تھا۔بالآخر ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب نے بڑا اصرار کیا۔ان کے بیٹوں کے ساتھ کچھ اچھے مراسم بن گئے تھے۔انہوں نے بھی کہا۔اس طرح میرے کھانے کا انتظام مکرّم ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہوگیا۔ان کی اہلیہ محترمہ خالہ محمودہ بیگم صاحبہ نے ایک ماں کی طرح میری ضروریات کا خیال رکھا۔کیا فرشتہ سیرت بزرگ تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم سے نوازے۔آمین

اس مقام پر تقریباً ایک سال تک خدمت کی توفیق ملی۔احبابِ جماعت کے ساتھ تعاون اور محبت کا ایک مثالی رشتہ بن گیا۔ پینتالیس سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی میرے دل میں ان کی محبت موجزن ہے۔ کَانَ اللّٰہُ مَعَھُمْ ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ

کھاریاں کی چند دلچسپ یادیں

تعارف کھاریاں

سیالکوٹ سے میرا تبادلہ اصلاح وارشاد مرکزیہ کے تحت کھاریاں نامی جماعت میں ہو گیا۔کھاریاں ضلع گجرات کی ایک تحصیل ہے۔اس دور میں گجرات کی تین تحصیلیں ہوتی تھیں۔ گجرات، منڈی بہاؤالدین اور کھاریاں۔بعد میں سیاسی اور انتظامی ضروریات کے تحت منڈی بہاؤالدین کو بھی ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔یہ ایک تاریخی شہر ہے کیونکہ یہ ملک کے اس حصہ میں پہاڑی اور میدانی علاقوں کا سنگم ہے۔اس لئے جتنے بھی حملہ آور افغانستان، ایران اور دیگر اطراف کی جانب سے ادھر آئے ہیں ۔وہ تازہ دم ہونے کے لئے یہاں ہی پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔جن کے آثار آج بھی ان کی یہاں آمد کی گواہی دیتے ہیں۔کھاریاں جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔اس شہر کی وجہ شہرت آج کل اس کی مالی فراخی ہے۔کیونکہ اس علاقہ کے بیشتر لوگ بیرونِ پاکستان حصولِ روزگار کے سلسلہ میں گئے ہوئے ہیں۔اس شہر کو بعض لوگ مِنی ناروے بھی کہتے ہیں۔کھاریاں شہر کے قریب پاکستان کی ایک معروف فوجی چھاؤنی ہے۔کسی دور میں یہاں کے اکثر لوگ فوج میں ملازم ہوتے تھے۔جس کی وجہ سے ہر گھر میں کوئی نہ کوئی فرد فوجی ہوتا تھا۔

افتخار کالونی

کھاریاں کینٹ میں ایک ایریا کا نام افتخار کالونی بھی ہے۔یہ نام معروف احمدی جرنیل افتخار جنجوعہ صاحب کے نام پر دیا گیا ہے۔یہ وہ عظیم جرنیل ہیں۔جنہیں 1971ء کی

پاک وہند کی جنگ میں چھمب جوڑیاں بارڈر پر وطنِ عزیز کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت ملی تھی۔

کھاریاں میں احمدیت کا نفوذ

کھاریاں شہر میں ابتدائی احمدیوں میں سے اوّل الذکر حضرت مولوی فضل دین صاحب کا نام آتا ہے۔انہیں ابتدائی صحابہ کرام میں سے ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دورِمبارک میں انہیں قادیان میں کئی نمایاں خدمات کی بھی توفیق ملی ہے۔اس شہر میں اور بھی کئی بزرگوں کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب کرم دین کے مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم تشریف لائے ۔ یہی وہ مبارک سفر ہے۔جس میں اس علاقہ کے اکثریت کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔کھاریاں کے مضافات میں بہت سی جماعتیں ہیں۔جن کا قیام بھی سفرِ جہلم کا ہی ثمر ہے۔

خطرناک بوٹی

حضرت خلیفہ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ایک خطبہ میں جماعت احمدیہ کی مثال کچھ یوں بیان فرمائی، کہ زمیندار ایک پودا (بوٹی) کو اپنی کھیتی کے لئے نقصان دہ جانتے ہوئے اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔لیکن وہی بُوٹی ہوا کے دوش پر سوار ہو کر جہاں جہاں گرتی ہے وہاں ہی اس کے بیج ایک نئی نسل کو جنم دے کر پھر زمین میں لہلہاتے ہیں۔مقدمہ جہلم میں دشمنانِ حق نے شجرِ اسلام کی بیخ کُنی کی ایک مذموم کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس

کے برعکس اس علاقہ میں سینکڑوں نئے مستحکم پودے لگادئے۔ ہمارا ایمانِ محکم ہے کہ جماعتِ احمدیہ ایک الٰہی جماعت ہے۔جس کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے۔اوراس کی نشونما اورآبیاری اور حفاظت کو بھی اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔نادان دُشمنِ احمدیت ہمیشہ سے ہی اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوششوں میں سردھڑ کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔لیکن اس کے بیج جہاں جہاں گرتے ہیں لہلہاتے کھیت بن جاتے ہیں۔

کھاریاں شہر میں احمدی احباب دنیاوی لحاظ سے خاصے بااثر ہیں۔ کیونکہ اس شہر کے مضافات میں بیشتر زرعی رقبہ احمدیوں کا ہی ہے جو اب شہری حدود میں آجانے کی وجہ سے بہت ہی قیمتی ہو چکا ہے۔کھاریاں کے ایک محلہ کا نام بھی محلہ احمدیہ مشہور تھا۔ یہاں پر جماعتِ احمدیہ کا ایک ہائی سکول بھی تھا۔جس کا نام تعلیم الاسلام ہائی سکول تھا۔ بھٹو صاحب کے دورِ استبداد میں جماعت سے لے لیا گیا تھا۔۔

چند متفرق واقعات

سبق آموز۔ میں ان کا خدا نہیں

کرنل محمد اکبر صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ کھاریاں اپنے آغازِ جوانی کا ایک واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ مسجد احمدیہ کھاریاں میں نماز ظہر ادا کرنے کے لئے گئے۔اس وقت مسجد میں جماعت کے دو بزرگ جو آپس میں بھائی بھی تھے۔ان میں اوّل الذکر مکرم مولوی عبدالرحمان صاحب اپنے برادرِ اصغر مکرّم سعدالدین صاحب سے محوِ گفتگو تھے جو کہہ رہے تھے۔ سعدالدین، دیکھو میں ایک سکول میں ہیڈ

ماسٹر ہوں اور میں نے کفایت کر کے ایک بہت بڑا مکان تعمیر کرلیا ہے، لیکن تم انسپکٹر آف سکولز ہواس کے باوجود تم نے کوئی مکان وغیرہ نہیں بنایا ہے۔ اگر خدانخواستہ کل آپ کو کچھ ہوگیا تو سوچوان معصوم اور بے یارو مددگار بچوں کا کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں مولوی سعدالدین صاحب نے کہا۔ بھائی جان! مجھے تو اللہ تعالیٰ نے صرف ان کا باپ بنایا ہے۔ باقی ان کا خالق و مالک اور رازق تو خدا ہے۔ وہ ان شاء اللہ ان کے لئے بہتر ہی کرے گا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مولوی سعدالدین صاحب کچھ عرصہ کے بعد عین جوانی میں ہی اس دارِفانی سے رخصت ہو گئے۔ جبکہ ان کے بچے صغرسنی میں ہی تھے۔ بظاہر ان کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انکی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی جناب سے ایسے اسباب پیدا فرمادئے۔ احباب جماعت کھاریاں اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بظاہر ان لاوارث بچوں کی کیسی دادرسی کی کہ وہ سب ہی دینی و دنیاوی لحاظ سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔

مسجد احمدیہ کی تعمیر

کھاریاں میں ابتدا سے ہی جماعت احمدیہ کی مسجد تھی جو دراصل مکرم چوہدری رشیدالدین صاحب سابق امیر جماعت ضلع گجرات کے بزرگوں کی زمین کا ایک حصہ تھی۔ یہ مسجد مکرم چوہدری رشیدالدین صاحب کے گھر کا ایک حصہ ہی تھی۔ مسجد کا ایک دروازہ ان کے گھر میں کھلتا تھا۔

اس مسجد میں احمدیوں کے علاوہ محلہ کے غیراز جماعت لوگ بھی باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ احمدی احباب مسجد میں بائیں جانب اور غیراز جماعت دائیں جانب نماز ادا

کرتے تھے۔ نماز جمعہ صرف احمدی ہی ادا کرتے تھے۔ ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ نماز مغرب پہلے غیر احمدی ادا کرتے جنکے بعد احمدی۔ نماز کے بعد ہمارا درس ہوتا تھا جس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے دوست بھی بڑے سکون سے درس سنا کرتے تھے۔

محلہ احمدیہ

مسجد کا علاقہ محلہ احمدیہ کہلاتا تھا کیونکہ اس محلہ میں زیادہ تر احمدی احباب رہتے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب یہاں بھی **وَسِّعْ مَكَانَكَ** کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ ایک دفعہ خلیفہ رابع رحمہ اللہ خلافت سے قبل کھاریاں تشریف لائے۔ آپؒ نے اس بات کا اظہار فرمایا کہ یہاں اب بڑی مسجد ہونی چاہیے۔

مسجد کی تحریک

ایک دن مکرم ماسٹر محمود احمد جنجوعہ صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ کہنے لگے کہ کل محکمہ تعلیم کے ادارہ میں ایک میٹنگ ہوئی ہے جس میں کھاریاں میں مزید مدارس کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ جب جگہ کی بات ہوئی تو کسی نے یہ تجویز دی ہے کہ تعلیم الاسلام پرائمری سکول کی جگہ خالی پڑی ہے۔ اسے استعمال کرنا چاہیے۔ یہ جگہ جماعت کے پرائمری سکول کی تھی جسے بوجوہ بند کر دیا گیا تھا۔

میں نے فوری طور اس وقت جماعت کے امیر مکرم کرنل اکبرعلی صاحب سے ملاقات کی۔ ان دنوں وہ علیل تھے اور سی ایم ایچ میں داخل تھے۔ میں نے صورتِ حال بتائی اور عرض کی کہ ہمیں فوری قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ورنہ یہ جگہ ہمارے ہاتھ سے نکل

جائے گی۔ کرنل صاحب کہنے کہ لگے ٹھیک ہے۔ دیکھ لیں کہ کیا کرنا ہے۔

اس دور میں دو احمدی دوستوں کے اینٹوں کے بھٹے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ جسقدر آپ کے پاس اینٹیں موجود ہیں وہ فوری طور پر سکول والے پلاٹ میں پھینک دیں۔ ہمارے پاس اسوقت کوئی رقم نہیں ہے۔ اس کا حساب بعد میں کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ انہوں نے تعاون کیا اور اگلے دنوں میں اینٹیں پہنچ گئیں۔ اس طرح مخالفین کا راستہ بند ہوگیا۔ اس کے بعد جماعت کا ہر فرد تعمیرِ مسجد کے لئے میدانِ عمل میں آ پہنچا۔

مجھے جلسہ سالانہ قادیان میں ایک سکھ سردار کا بیان کردہ واقعہ یاد آ گیا ہے کہ کہیں کسی کے گھر میں آگ لگ گئی۔ ہر کوئی آگ بجھانے کے لئے پانی لئے اس جانب دوڑ رہا تھا۔ ایک چڑیا بھی اس جانب تیزی سے اڑتی جارہی تھی۔ اسے کسی نے پوچھا کہ بھئی کہاں جارہی ہو۔ اس نے بتایا کہ آگ بجھانے کے لئے جارہی ہوں۔ پوچھنے والے نے ازراہ تضحیک کہا کہ تمہارے ایک قطرہ پانی سے آگ کہاں بجھ سکتی ہے؟ چڑیا نے کہا کہ بات نیت کی ہے۔ کم از کم روزِ محشر میں یہ تو کہہ سکوں گی کہ میں آگ لگانے والوں میں سے نہیں تھی بلکہ آگ بجھانے والوں میں سے تھی۔

دیوانوں کو بس اک آواز چاہیے

کھاریاں شہر میں مسجد تعمیر کرنے کے بارے میں پہلی میٹنگ کی گئی جس میں صرف خدام ہی حاضر تھے۔ خاکسار نے ایک بڑی مسجد کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کے بارے میں چند باتیں کیں اور خدام کو وعدے لکھوانے کی تحریک کی۔ سب سے پہلے

ایک خادم جو میرے قریب ہی تشریف فرما تھے اور مالی اعتبار سے خاصے مستحکم تھے، میں نے ان سے وعدہ لکھوانے کی تحریک کی۔انہوں نے ایک بہت ہی معمولی رقم کا وعدہ کیا۔میں نے خدام سے دوبارہ عرض کی کہ لگتا کہ میں آپ لوگوں کے سامنے موجودہ نازک صورت حال کا نقشہ مناسب الفاظ میں پیش نہیں کرسکا۔اس لئے ازراہِ کرم ہمیں ٹارگٹ مدِّنظر رکھ کر وعدہ کرنا ہوگا۔اس پر وہ نوجوان کہنے لگا کہ مربّی صاحب! آپ ہی بتادیں کتنی رقم ادا کروں؟ میں نے کہا کم ازکم پانچ ہزار روپے۔ یاد رہے کہ اس زمانہ میں پانچ ہزار روپے خاصی رقم ہوا کرتی تھی۔اس پر وہ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے۔میری طرف سے پانچ ہزار روپے کا وعدہ لکھ لیں۔ان کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ ہر کسی نے ان سے بڑھ کر ہی وعدہ لکھوایا۔ ایک نوجوان مکرم خادم حسین کسانہ صاحب دور بیٹھے ہوئے تھے۔کہنے لگے کہ مربّی صاحب! آج یہاں ہونے والے سب سے زیادہ وعدہ سے میرا وعدہ چار ہزار روپیہ زائد لکھ لیں۔پھر بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔تقریباً ایک گھنٹہ کے اجلاس میں ہزار ہا روپے کے وعدے ہوئے اللہ کے فضل سے وقت کے ساتھ احباب جماعت نے بڑی خوشی سے نہ صرف یہ وعدہ جات پورے کئے بلکہ حسبِ ضرورت اپنی توفیق سے بڑھ کر مسجد کی تکمیل میں حصہ لیا۔**فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔

مالی قربانی کا سرور

کہتے ہیں کہ ایک انگریز سیر کے لئے پاکستان گیا۔وہاں اس نے دیکھا کہ سرِ بازار ایک ریڑھی والا دھی بھلے فروخت کررہا تھا۔ایک نوجوان پلیٹ ہاتھ میں تھامے دھی بھلے کھانے میں مصروف تھا۔مصالحوں کی تیزی کے آثار اس کی حرکات وسکنات اور

پیشانی پر پسینہ سے عیاں ہورہی تھی۔انگریز اسے دیکھ کر خاصا پریشان ہورہا تھا۔اس نے سوچا کہ شاید اسے کوئی سزادی جارہی ہے جو اسے اس تکلیف دہ حالت میں یہ کھانا پڑرہا ہے۔ جب وہ نوجوان اپنی پلیٹ ختم کر چکا تو اس نے ریڑھی والے کو ایک اور پلیٹ کا آرڈر دیا اور خصوصی مرچ مصالحہ ڈالنے کی درخواست بھی کی۔اس پر وہ انگریز اپنے آپ پر ضبط نہ کر سکا اور اس نے پوچھا کہ جب تم پہلی پلیٹ کھا رہے تھے تو مجھے تمہاری حالتِ زار پر ترس آرہا تھا لیکن تم نے تو ایک اور پلیٹ کا آرڈر دے دیا ہے۔تمہارا یہ عمل میری سمجھ سے بالا ہے۔نوجوان نے بتایا کہ واقعی دھی بھلے میں مرچ مصالحہ کی زیادتی کے باعث مجھے کافی تکلیف ہورہی تھی لیکن جو اس کے کھانے سے لطف آتا ہے وہ اس تکلیف سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں اکثر احباب ’’جان و مال وآبرو حاضر ہیں تیری راہ میں‘‘ پر عملاً بڑی ہی صداقت اور اخلاص سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔انہیں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ایسا لطف آتا ہے کہ انہیں الفاظ کے سانچوں میں ڈھالنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ہم سب نے یہ بنظرِ غائر تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانی کرنے کے بدلہ میں خدا تعالیٰ کے افضال واکرام کی بارش ہوتی ہے۔اور یہ عمل ہر احمدی کو ’’علم الیقین‘‘ اور ’’عین الیقین‘‘ کے مدارج سے بڑھا کر ’’حق الیقین‘‘ کے مقام پر سرفراز کرتا ہے۔

معجزانہ الٰہی تصرف

اللہ تعالیٰ نے معجزانہ فضل فرمادیا۔ چند احمدی سرکاری افسران بھی ادھر آگئے۔

انہوں نے کاغذات کے حصول میں بہت مدد فرمائی۔ چند ایک احمدی دوست جو بڑے با اثر تھے انہوں نے بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر اپنے تعلقات استعمال کئے جس کے نتیجہ میں بہت سی مشکلات حل ہو گئیں۔ان چند ایک کے اسماء گرامی کچھ یوں ہیں۔

مکرم کرنل اکبر صاحب امیر جماعت، مکرم چوہدری افتخار احمد صاحب، مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب وکیل، مکرم شیخ محمد اسلم صاحب، مکرم منظور احمد کھوکھر صاحب، مکرم صوبیدار عنایت علی صاحب، مکرم عبدالرزاق صاحب ٹھیکیدار اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور جنت الفردوس میں مقامِ ارفع واعلیٰ سے نوازے۔آمین

نئی مسجد کے کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے احبابِ جماعت میں ایک ایسا جوش اور جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ آج تک میں حیران ہوتا ہوں کہ کس طرح احباب جماعت کھاریاں کے مرد حضرات کے علاوہ خواتین نے بھی دل کھول کر مالی قربانی کے نمونے پیش کئے۔ یہ وہ دور تھا جب عوام الناس میں شرافت زندہ تھی۔لوگوں میں باہمی پیار و محبت اور انسانیت کا رشتہ قائم تھا۔تعصب، کینہ اور عداوت ابھی پوری طرح پروان نہیں چڑھی تھی۔

غیر از جماعت ڈاکٹر صاحب پر نیک اثر

احباب جماعت نے بہت سارے وقارِ عمل بھی کئے جس کے نتیجہ میں بہت سارے اخراجات بچا لئے گئے۔ایک دفعہ مسجد میں وقارِ عمل ہو رہا تھا۔ایک غیر از جماعت ڈاکٹر بشیر احمد صاحب کسی مریض کو دیکھنے کے لئے ہمارے محلے میں آئے، وقارِ عمل کرتے ہوئے دوستوں کو دیکھ کر وہ بھی مسجد میں آ گئے۔ وہاں پر بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو اس جوش و جذبہ سے کام کرتے ہوئے بہت ہی حیران ہوئے اور انہوں نے جماعت کے لئے

بہت ہی تعریفی کلمات کہے۔ بعدازاں انہوں نے ایک دوست کے ذریعہ سے ایک خطیر رقم بھی مسجد کی تعمیر کے لئے بھیجی اور کہا کہ مجھے احساس ہوا کہ خدا کی راہ میں مالی قربانی کا یہی ایک محفوظ مقام ہے۔

یہ مسجد پنجاب بھر کی چند بڑی مساجد میں سے ایک ہے چونکہ یہ بات آج سے چالیس سال پہلے کی ہے۔ جب جسم اور دماغ جوان تھا۔اب تو بڑھاپا بھی ہے، جو بذاتِ خود ایک بڑی بیماری ہے۔ دیگر بیماریوں نے بھی اطراف سے گھیر رکھا ہے۔ بہت سی باتیں اب یاد نہیں ہیں۔ ہر کسی کا ذکر ممکن نہیں ہے۔الغرض سب نے ہی بہت تعاون کیا۔ ہر کوئی اس جہاد میں شریک ہوگیا، عجیب نظارہ تھا۔ جسے قلمبند کرنا خاصا مشکل امر ہے۔ مردوں کے علاوہ ہماری بہنوں کا شوق اور ولولہ قابلِ تحسین تھا۔جنہوں نے مالی قربانی کی بڑی تابناک مثالیں قائم کردیں۔

ایک عظیم الشان خانہ خدا بن گیا

پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ دن آ گیا کہ مسجدِ احمدیہ بن گئی۔ یہ مسجد پنجاب بھر کی جماعتی مساجد میں سے چند بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔جس میں مسجد کا مرکزی ہال، لجنہ ہال، مربّی ہاؤس، لائبریری، دفاتر، گیسٹ ہاؤس اور برلبِ سڑک غالباً آٹھ دوکانیں بھی بن چکی ہیں۔

گذشتہ سالوں میں مسجد سے کلمہ طیّبہ مٹانے اور مینار گرانے کا افسوس ناک واقع پیش آیا تھا،جس پر قومی عقل پر ذی شعور طبقہ خون کے آنسو تو روتا ہے۔لیکن زبان پر تالہ بندی ہےلیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے مینار گرنے کے بعد مسجد دومنزلہ سے تین منزلہ بن چکی

ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

بوڑھا دانا

کھاریاں سے ڈنگہ جاتے ہوئے رستہ میں ایک گاؤں خونن آتا ہے۔ جس کے قریب ''مرزا طاہر'' نامی چھوٹا سا گاؤں ہے۔ وہاں پر ایک احمدی بزرگ خاتون تھیں۔ جو پورے گاؤں میں اکیلی ہی احمدی تھیں۔ جو قضاء الٰہی سے فوت ہوگئیں۔ ہم لوگ کھاریاں سے ان کے جنازے اور تجہیز و تدفین کے لئے وہاں جارہے تھے۔ رستہ میں ایک بوڑھا کسان اپنے کھیت کے اردگرد جانوروں سے حفاظت کی خاطر جھاڑیاں وغیرہ نصب کررہا تھا جسے مقامی زبان میں واڑی کہتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے اس کسان سے کہا۔ باباجی! کیا یہ واڑی آپ کی ہے؟ بوڑھے کسان نے جواب دیا۔ بھائی یہ واڑی میری نہیں لیکن واری (ماری) میری ہے۔ کیونکہ پہلے میرا دادا کہتا تھا یہ زمین میری ہے۔ وہ چلا گیا۔ اس کے بعد میرا باپ اس کو سنبھالتا رہا اور کہتا رہا یہ میری ہے، میری ہے۔ اب وہ فوت ہوگیا ہے اس لئے میرے خیال میں یہ ''واڑی'' میری نہیں اب ''باری'' میری ہے۔

احمدیت کا بے مثل رشتہ

کھاریاں سے کوٹلہ جاتے ہوئے رستہ میں ایک معروف قصبہ ''گلیانہ'' آتا ہے۔ وہاں سے کافی دور آگے ایک مختصر سا گاؤں ''تیرو چک'' ہے۔ ستر کی دہائی میں لوگ یہ سفر بذریعہ سائیکل یا پیدل طے کرتے تھے۔ اب تو ان جدید سفری سہولتوں کے باعث فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اس گاؤں میں ایک بزرگ مکرم فضل کریم صاحب رہتے تھے۔

جواس گاؤں میں اکیلے ہی احمدی تھے۔ان کے بیٹے ملازمت کے سلسلہ میں بیرون ملک تھے۔ یہ بزرگ بہت ہی باہمت اور دلیر شخص تھے۔ نہ معلوم کس طرح نمازِ جمعہ کے لئے بسا اوقات کھاریاں تشریف لاتے۔زیادہ تر قریب ترین جماعت ''نصیرہ'' جاتے۔

ایک دفعہ بہت زیادہ بیمار ہوگئے۔ ڈاکٹر نے مایوسی کا اظہار کردیا۔ اس وقت گاؤں کے کچھ غیراز جماعت لوگ ان کے پاس آئے اور کہا بہتر ہے اب بھی توبہ کرلو ورنہ تمہاری نعش ہم باہر پھینک دیں گے۔آپ نے اسی وقت قریب ترین جماعت ''نصیرہ'' پیغام بھیجا کہ مجھے آکر مل جائیں۔وہاں سے دو احمدی دوست ان کے ہاں پہنچے۔ باباجی نے اپنی بیوی کو بلایا اوران احمدی مہمانوں کے سامنے کہا۔ دیکھو میں اللہ کے فضل سے احمدی ہوں۔جب میں فوت ہوجاؤں تو میرا جنازہ اور تجہیز وتدفین صرف احمدی ہی کریں۔ اتفاق ایسا ہوا۔اگلے روز ہی وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ان کی اہلیہ نے ایک آدمی کے ذریعہ سے ہمیں کھاریاں میں پیغام پہنچادیا۔

خاکسار نے خدام کے ذریعہ علاقہ بھر کی جماعتوں سے رابطہ کیا۔انہیں اس فوتگی کی اطلاع دی اورجنازہ کے لئے پہنچنے کی تاکیدی درخواست کی۔اس دور میں کھاریاں شہر میں چند ایک اعلیٰ سرکاری افسران متعین تھے۔علاوہ ازیں کھاریاں کینٹ میں بھی کئی فوجی ودیگر افسران تھے۔اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل کیا کہ اس بہت ہی غیر معروف گاؤں میں ہرطرف سے احمدی بھائی بسیں کاریں اور ویگنیں لیکر پہنچ گئے۔

یہ ایک نظارہ تھا کہ آج تک اس کا میرے دل ودماغ پر اثر ہے۔ مقامی آبادی نے زندگی میں پہلی بار اتنے لوگ اور گاڑیاں اپنے ہاں دیکھی ہوں گی۔ یہ احمدی بھائیوں کی محبت والفت کا ایسا دلکش مظاہرہ تھا کہ علاقہ بھر میں اس واقعہ کا ذکر ہرکسی زبان پر تھا۔

تقدیرِ الٰہی ۔اللہ تعالیٰ نے ایک نیا پودا لگا دیا

تیرو چک میں مکرم فضل کریم صاحب کی وفات پر اس علاقہ میں کوئی احمدی نہ رہا۔ چند سال قبل مجھے حضورِانور کے ارشاد پر پُرتگال جانے کا ارشاد ہوا۔احبابِ جماعت سے تعارف ہوا تو ان میں سے ایک دوست نے بتایا کہ ان کا تعلق کھاریاں سے ہے۔ میں نے کہا کھاریاں کے احباب کو تو میں جانتا ہوں اس پر کہنے لگے۔ میرا تعلق ''تیرو چک'' گاؤں سے ہے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ میں اپنے خاندان میں اکیلا ہی احمدی ہوں اور مجھے جرمنی میں قبولِ احمدیت کی توفیق ملی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس گاؤں میں پھر سے احمدیت کا پودا لگا دیا۔

عقلمند را اشارہ کافی است

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ مسندِ خلافت پر فائز ہونے سے قبل ایکدفعہ کھاریاں تشریف لائے۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور آپ نے ہی نمازِ جمعہ پڑھانی تھی۔مکرم حاجی احمد خان ایاز صاحب نے آپ کو اپنے ہاں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔ جو آپ نے ازراہِ شفقت قبول کر لی۔ جب حضور حسبِ پروگرام کھانے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے محسوس کیا ابھی کھانے میں دیر ہے۔آپ نے حاجی ایاز صاحب کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔حاجی صاحب مجاہد ہنگری ہیں،کیا آپ کو ہنگری کی زبان آتی ہے؟ حاجی صاحب نے عرض کی جی میاں صاحب ۔حضور نے فرمایا اچھا پھر اس فقرہ کا ترجمہ کریں۔اگر کھانا لیٹ ہو گیا تو نمازیوں کو بہت پریشانی ہوگی۔حاجی صاحب فوری طور کمرہ

سے باہر تشریف لے گئے اور جلد ہی حضور کو کھانے کے ٹیبل پر آنے کی دعوت دی۔حضور نے کھانا تناول فرمایا۔حاجی صاحب نے عرض کی۔میاں صاحب ترجمہ کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا.زبردست بہت ہی سلیس اور بامحاورہ۔

تم قادیانی بہت تیز چیز ہو

ابتدا میں ہمارے گاؤں میں تعلیمی سہولت کلاس ہشتم تک ہوتی تھی۔آٹھویں کلاس کا امتحان بہت اہم ہوتا تھا۔اس امتحان کو ورنیکلر فائنل کا امتحان کہتے تھے۔اس دور میں ہمارے علاقہ میں صرف ''دولت نگر'' نامی قصبہ میں ہی ہائی سکول ہوتا تھا جو علاقہ بھر کے مڈل سکول کے طلبہ کے فائنل امتحان کا مرکز ہوتا تھا۔امتحان دینے والے طلبہ کسی ایک استاذ کی نگرانی میں امتحانات کے ایّام میں قیام کرتے۔یہ ایک بڑی وسیع وعریض عمارت تھی۔مہمان مدارس کے طلبہ کو اپنے اپنے سکول کی ترتیب سے ایک ایک کلاس روم الاٹ تھا جہاں پر طلبہ رات کو ان ٹاٹوں پر سویا کرتے تھے۔

میں اپنی کلاس میں اکیلا ہی احمدی تھا۔ جب ہم لوگ دولت نگر پہنچے تو پہلے ہی روز میرے ساتھی طلبہ نے باقی طلبہ کو بھی بتادیا کہ میں احمدی ہوں۔جس سے ہر کسی کو میرے احمدی ہونے کا علم ہو گیا۔

کھیل کے اوقات میں ہم لوگ باہر میدان میں کھیل رہے تھے۔اس دوران ایک بچہ بھدر نامی سکول سے میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم قادیانی ہو۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔اس پر کہنے لگا۔ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب جو ہماری کلاس کے ساتھ آئے ہوئے ہیں وہ بھی قادیانی ہیں اور ان کا نام راجہ

غلام مصطفیٰ صاحب ہے۔ میں نے پوچھا۔ راجہ صاحب کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ اس نے بتایا کہ فلاں کلاس روم میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ شام کے بعد سٹڈی ٹائم میں ہمیں پڑھانے کے لئے آئیں گے۔ شام کے وقت میں ان کے کمرہ میں چلا گیا۔ مکرم راجہ صاحب طلبہ کو امتحان کی تیاری کے سلسلہ میں رہنمائی فرمارہے تھے۔ سلام دُعا کے بعد میں نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ احمدی ہیں۔ انہوں نے بتایا۔ ہاں اللہ کے فضل سے میرا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ اس پر میں نے بتایا کہ میں بھی اللہ کے فضل سے احمدی ہوں۔ مکرم راجہ صاحب یہ جان کر بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے الحمدللہ ہم دو احمدی ہو گئے ہیں۔ کرسی سے اٹھے، بڑے ہی پیار سے ملے۔ مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔ کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ ان کی کلاس کے طلبہ کے لئے یہ عجیب بات تھی کہ راجہ صاحب ایک مہمان بچے کے ساتھ اتنی شفقت اور پیار سے باتیں کررہے ہیں۔ اس وقت میری عمر تیرہ سال ہوگی جبکہ مکرم راجہ صاحب کی عمر اس وقت پچاس سے زائد ہوگی۔ پھر راجہ صاحب نے کہا بیٹا جب تک ہم لوگ اس جگہ پر قیام پزیر ہیں ہم اپنی باجماعت نماز ادا کیا کریں گے۔ انشاءاللہ

جب میں اس ملاقات کے بعد واپس اپنے کمرہ میں آیا۔ میرے ماسٹر صاحب میری کلاس کے طلبہ کو پڑھا رہے تھے۔ مجھ سے تاخیر کا سبب پوچھا۔ میں نے بتایا میں راجہ صاحب کو ملنے گیا ہوا تھا۔ کہنے لگے تم انہیں کیسے جانتے ہو۔ میں نے بتایا وہ احمدی ہیں اور میں بھی احمدی ہوں۔ اس پر ماسٹر صاحب نے کہا۔ تم قادیانی بڑی تیز چیز ہو کیسے کیسے رابطے کر لیتے ہو۔

قبول احمدیت کا ایک خوبصورت واقعہ

کھاریاں جماعت میں ایک بزرگ مکرم غلام احمد کسانہ صاحب تھے۔ جو مسجد احمدیہ کھاریاں میں باقاعدگی کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے بتایا کہ ان کے ایک بزرگ فقیرانہ مزاج کے تھے۔ طلب حق کے لئے مختلف مذہبی مقامات پر چکر لگاتے رہتے۔ کہتے ہیں، ایک دفعہ وہ بزرگ کھاریاں سے اعوان شریف کی جانب ایک معروف شاہ صاحب جو اپنے علاقہ میں ایک عالمِ دین اور بزرگ مشہور تھے۔ ان کے آستانے پر پہنچ گئے۔ پیر صاحب اپنے مریدوں کے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے بھی سلام کیا اور حلقہ احباب میں بیٹھ گئے۔

مکرّم شاہ صاحب نے جب ایک نووارد کو دیکھا تو ان سے پوچھا میاں آپ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہی تو معلوم کرنے آیا ہوں کہ میں کون ہوں؟ (یہ ایک فقیرانہ اندازِ کلام ہے)

شاہ صاحب نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا میں کھاریاں سے آیا ہوں۔ اس دور میں لوگ پیدل ہی آیا جایا کرتے تھے۔ کھاریاں سے مشرق کی جانب سے اعوان شریف کے لئے راستہ جاتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اب آپ نے کھاریاں واپس جانے کے لئے دوسرا راستہ لینا ہے۔ موصوف نے اس ارشاد میں کوئی ہدایت یا اشارہ سمجھا۔ اس کی اطاعت میں دوسرا رستہ اختیار کر لیا جو ایک لمبا چکر لگا کر جہلم کی جانب سے کھاریاں کو جاتا ہے۔ جب یہ بزرگ جہلم پہنچے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں تو ہزار ہا لوگ جمع ہیں۔ آپ نے کسی سے استفسار کیا کہ اتنے زیادہ لوگ کیوں اکٹھے

ہیں۔کسی نے بتایا کہ قادیاں والے مرزا صاحب آئے ہوئے ہیں۔آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی عقدہ کشائی فرمادی۔دل کی گرہ کھل گئی۔آپ کو اپنے سوال ''کہ میں کون ہوں'' کا جواب مل گیا۔آپ جس منزل کے متلاشی تھے۔آپ کو اپنی منزل مل گئی پھر صدقِ دل سے بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہو گئے۔

کھاریاں کی مضافاتی جماعتیں

کھاریاں۔دھوریہ۔چک سکندر۔مرزا طاہر۔خونن۔ڈھومیانہ چک۔ڈنگہ۔بھلیسر والا۔سرائے عالمگیر۔بالانی۔نصیرہ۔نورنگ۔ڈھل کیہڑ تیرو چک۔بزرگ وال۔پنجن۔بوریوالی۔کھاریاں کینٹ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے

کھاریاں کینٹ میں ایک احمدی بزرگ کسی ادارہ میں چوکیدار کے طور پر ملازم تھے۔انکی فیملی بھی ان کے ہی ساتھ سرونٹ کوارٹرز میں رہائش پزیر تھی۔کسی فوجی جوان نے ان کے اہل خانہ کے ساتھ چند ایک بار بدتمیزی کی۔اسے منع کیا گیا لیکن اسے کوئی اثر نہ ہوا۔مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔یہ بزرگ بڑے پریشان ہو گئے۔ایک دن وہ میرے پاس آئے اور اپنی ساری داستان بتائی۔

ان ایّام میں کھاریاں کینٹ میں اسٹیشن کمانڈر مکرّم کرنل نذیر احمد صاحب تھے۔جو بفضلہٖ تعالیٰ ایک بہت ہی مخلص اور نڈر احمدی آفیسر تھے۔یہ موصوف مکرم بشیر احمد رفیق صاحب سابق امام مسجد لندن کے بھائی تھے۔مکرم کرنل صاحب کا بنگلہ اس چوکیدار کے گھر

سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا۔

میں اس کو ساتھ لے کر کرنل صاحب کے بنگلہ پر چلا گیا۔ مکرم کرنل صاحب بڑے ہی خلیق اور مہمان نواز شخص تھے۔ مل کر بہت خوش ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد میں نے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا۔ کرنل صاحب نے کہا۔ یہ خود کیوں میرے پاس نہیں آئے؟ بابا جی کہنے لگے۔ جناب میرے اور آپ کے مراتب میں بہت فرق ہے اس لئے ہمت نہیں ہوئی۔ کرنل صاحب نے کہا۔ بھئی ہمارا دنیاوی مراتب کے علاوہ ایک اور بھی بہت ہی بڑا اور گہرا رشتہ ہے۔ ہمارا احمدیت کا رشتہ سب رشتوں سے بڑھ کر ہے۔ آئندہ کوئی مشکل ہو تو فوری طور پر بلا خوف وخطر میرے گھر آ جائیں۔ یاد رکھیں۔ یہ ایک احمدی کا گھر ہے جو آپ کا بھی گھر ہے۔ مکرم کرنل صاحب نے اسی وقت کسی دوسرے افسر کو فون کر کے بتایا کہ تمہارے محکمہ کے فلاں شخص نے ایک بزرگ کے ساتھ ایسی حرکت کی ہے۔ یہ جان لو کہ تمہارے آدمی نے اس چوکیدار کے ساتھ ایسی حرکت نہیں کی ۔ بلکہ میرے ساتھ کی ہے۔ اس لئے اسے سمجھا لیں ورنہ نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اس کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ وہ مشکل حل ہوگئی۔

یحییٰ خان سابق صدر پاکستان

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

ایک دفعہ کھاریاں کے خدّام اور اطفال نے پکنک پر جانے کا پروگرام بنایا۔ کھاریاں شہر سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر جی ٹی روڈ کے کنارے پر ہی جنگل نما پہاڑی علاقہ ہے جسے بنی بنگلہ کہتے ہیں۔

جب ہم بنی بنگلہ کے حدود میں پہنچے تھوڑی دور آگے گئے تو ہمیں چند فوجی جوان نظر آئے۔ جنہوں نے ہمیں بتایا کہ آپ اس طرف آگے نہیں جاسکتے۔ ادھر جانا منع ہے۔ آپ لوگ دوسری جانب جا کر پکنک کرلیں۔ ہم حسبِ ارشاد ایک دوسری طرف ایک مناسب جگہ منتخب کرکے بیٹھ گئے۔ وہیں ہم نے کچھ سیر سپاٹا کیا۔ خدّام و اطفال کے مابین مختلف علمی اور جسمانی مقابلہ جات ہوئے جن میں انہوں نے بڑے شوق سے حصہ لیا۔

دراصل اس مقام پر ایک خاصا بڑا مکان ہے۔ جو وسیع و عریض جنگل کے اندر واقع ہے۔ جسے بنگلہ کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کو بنی بنگلہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

وہاں جا کر علم ہوا کہ اس بنگلہ میں ایک زمانہ میں مملکتِ خداداد پاکستان کے سیاہ وسفید کے مالک، سابق صدر و چیف مارشل لاء پاکستان جنرل یحیٰی خان صاحب نظر بند ہیں۔ اس بنگلہ میں ان کے ہمراہ صرف ان کا ایک مونس و غمخوار اور چہیتا کتا ہے۔

وہ شخص کل تلک جس کے ارد گرد ان گنت حاشیہ نشین، شب و روز اس کی پلک کے ایک اشارہ کے منتظر رہتے تھے۔ اب وہ کس کسمپرسی کی حالت میں اپنی زندگی کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ یہاں ہر طرف ھُو کا عالم تھا۔ پتوں کی سرسراہٹ، جنگلی جانوروں کی آوازوں کے علاوہ دور جی ٹی روڈ پر فراٹے بھرتی گاڑیوں کے شور کی بازگشت ہی سنائی دے سکتی تھی۔ انسان کمزور ہے، دوسروں کے عبرتناک انجام سے سبق حاصل نہیں کرتا بلکہ دوسروں کے لئے خود عبرت کا درس بننا چاہتا ہے۔ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ۔

ایک نقطہ نے محرم سے مجرم کردیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے، ڈنگہ کے مضافات میں بھلیسر والا جماعت کے دورہ پر گیا۔

یہاں پر ایک ہی خاندان کے چند مخلص گھرانے ہیں۔ یہاں چوہدری فیض احمد صاحب ہوا کرتے تھے۔ جن کے اپنے علاقہ کے معززین سے بہت اچھے مراسم تھے۔ جن کی وساطت سے میری بھی ایسے لوگوں سے ملاقات رہتی تھی۔اب اس خاندان کے بیشتر احباب بیرونِ پاکستان ہیں۔

''بھلیسر والا'' سے واپسی پر مَیں ٹرین کے انتظار میں ڈنگہ ریلوے اسٹیشن پر محوِ انتظار تھا۔ میرے قریب ہی ایک دوست تشریف فرما تھے۔ میں نے وقت گزاری کے لئے ان کے ساتھ گپ شپ لگانی شروع کر دی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ڈنگہ کے ہی رہنے والے ہیں۔ میں نے انہیں پوچھا کہ اس شہر کا نام ڈنگہ رکھنے کا پسِ منظر کیا ہے۔ بظاہر تو یہ ایک عجیب سا نام لگتا ہے۔

انہوں نے ایک بڑی ہی گہری اور حکیمانہ بات بتائی۔ انہوں نے ایک جانب ایک پرانی اور بوسیدہ سی عمارت کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ آپ وہ عمارت دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ جی ہاں۔کھنڈر بتاتے ہیں عمارت حسین تھی۔

کہنے لگے کسی زمانہ میں یہ ایک بہت ہی مشہور دینی اور علمی درسگاہ تھی۔ اس نسبت سے اس شہر کا نام دین گاہ تھا۔ بعدازاں جب انگریز راج آیا۔ انگلش حروف تہجی کی آمد پر اردو حروف معدوم ہو کر پسِ پردہ جانے لگے۔ اس جنگ و جدل میں بہت سے الفاظ اپنی معنوی شناخت سے محروم ہو گئے۔ جب دین گاہ کو انگلش میں لکھنا شروع کیا دال کا متبادل انگریزوں کے پاس ڈی ہی تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے اسے ڈنگہ بنا دیا۔ ایک نقطے نے محرم سے مجرم بنا دیا۔

لعل دین سے لال دین تک

ہمارے معاشرہ میں ہم اپنی لاعلمی کے باعث ناموں کا اس قدر حلیہ بگاڑ دیتے ہیں کہ ان کے معانی میں زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ایک دلچسپ واقعہ پیشِ خدمت ہے کہتے ہیں ۔روایت برگردن راوی۔افریقہ میں ہمارے ایک بزرگ دوست جن کا نام قمر تھا۔انہوں نے ایک دفعہ کسی دوسرے شہر میں ڈاکٹر لعل دین صاحب نامی دوست کو خط لکھا۔قمر صاحب نے اس خط میں انہیں ''لعل دین'' صاحب کی بجائے ''لال دین'' لکھ دیا۔جب یہ خط ڈاکٹر صاحب کو ملا تو انہوں نے جواب میں قمر صاحب کو خط لکھا۔جس میں ''قمر'' کی بجائے ''کمر'' لکھا۔جب یہ خط قمر صاحب کو ملا تو وہ سخت نالاں ہوئے اور ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا کہ آپ اتنے پڑھے لکھے آدمی ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ قمر ''قاف'' سے ہوتا ہے ''ک'' سے نہیں ہوتا۔اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے انہیں لکھا کہ آپ بھی خاصے تعلیم یافتہ ہیں لیکن آپ کو بھی تو یہ معلوم نہیں ہے کہ لعل ''ع'' سے لکھا جاتا ہے ''الف'' سے نہیں۔

جب ڈاکو فرشتہ بن گئے

ڈنگہ کے قریب ایک قصبہ ''جوڑا کرنانہ'' ہے۔یہاں پورے علاقہ میں ایک احمدی بشیر احمد صاحب رہتے تھے۔ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔مزدور پیشہ تھے۔جس سے زندگی کے دن گزر رہے تھے۔ان کے کچھ عزیز تو تھے۔لیکن وہ غیر احمدی تھے۔بشیر صاحب بیمار ہوئے۔عزیزوں نے دیکھ بھال کی مگر وقت آچکا تھا۔اللہ کو پیارے ہوگئے۔اب تجہیز و

تکفین کا وقت تھا۔گاؤں کے امام صاحب نے کہہ دیا چونکہ یہ شخص ''کافر'' تھا۔اس لئے اسکی تجہیز وتکفین ہم نہیں کریں گےاور نہ ہی اس کی تدفین ہمارے قبرستان میں ہوسکتی ہے۔اب بشیر صاحب کےعزیز سخت اذیّت کی حالت میں تھے۔اب بشیر صاحب کی میّت پڑی ہے۔سارا گاؤں تماش بینی کے لئے موجود ہے۔دوسری جانب چند ایک ایسے لوگ بھی ہیں جو شریف النّفس ہیں لیکن ان کی شرافت گونگی ہے،باوجود کچھ کہنے کے بھی زبان نہیں کھول سکتے۔ماحول میں سخت بے چینی ہے،اب کیا ہوگا۔کیا اس بے چارے کو جانور کھا جائیں گے۔اتنے میں اچانک ایک جانب سے کچھ بندوق بردار سوار آ گئے۔وہ کسی کام کی غرض سے ادھر سے گزر رہے تھے۔انہوں نے جب بہت سارے لوگوں کو قبرستان کے قریب کھڑے دیکھا۔انہوں نے لوگوں سے پوچھا،بھئی کیا معاملہ ہے۔انہیں بتایا گیا کہ یہ قادیانی تھا۔فوت ہوگیا ہےاس کی تدفین کا مسئلہ ہے۔اس پر اس گروپ کے سردار نے مولوی کو بلا کر کہا۔جو بھی وہ تھا۔وہ انسان تو تھا۔ابھی اس کی قبر کھودو اور اس کی تدفین کرو،ورنہ اس بندوق سے میں تمہارا کام تمام کرتا ہوں۔اس پر بلا چوں وچراں بشیر صاحب کےعزیزوں اور گاؤں والوں نے ان کی تدفین کردی۔

بعدازاں ہمیں اس واقعہ کی اطلاع ملی جس پر قریبی جماعتوں نے ان کی نماز جنازہ غائب ادا کی۔

میانوالی کی یادیں

تعارف میانوالی

میانوالی پنجاب کا سرحدی ضلع ہے۔لوگ بظاہر اپنی وضع قطع اور لباس سے بہت غیر مہذب لگتے ہیں۔لیکن ان میں رہنے سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دل کے بہت اچھے ہوتے ہیں۔دوستی اور دشمنی میں انتہا کے قائل ہیں۔موسم کے اعتبار سے چونکہ یہ علاقہ ایک ریگستان کی مانند ہے۔اس لئے اکثر یہاں آندھی کی کیفیت رہتی تھی۔جسٹس کیانی کو ایک وقت میں فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے سلسلہ میں میانوالی میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ایک روز کسی نے میانوالی کے بارے میں ان سے یہ سوال پوچھا کہ سنا ہے میانوالی میں آندھیاں بہت آتی ہیں۔انہوں نے جواباً کہا کہ یہ تو درست نہیں ہے۔ادھر تو بس ایک دو آندھیاں آتی ہیں جو سال بھر چلتی ہیں۔

میانوالی میں آمد

مرکزی ارشاد ملا کہ اب میری ٹرانسفر کھاریاں سے میانوالی کر دی گئی ہے۔وہاں پہنچ کر اطلاع دیں۔ان دنوں مکرّم نثار احمد خان صاحب مرحوم وہاں پر مربیِ سلسلہ تھے،دفتر اصلاح وارشاد سے میانوالی مشن ہاؤس کا ایڈریس اور بنیادی معلومات حاصل کیں۔منزلِ نَو کے لئے تیاری کی۔کچھ مصروفیات تھیں اس لئے سوچا کہ شام کو روانہ ہوں گا۔سردی کا موسم تھا۔شام کو عازمِ میانوالی ہوا۔ربوہ سے سرگودھا اور پھر وہاں سے میانوالی کے لئے بس میں سوار ہو گیا۔رات گئے میانوالی لاری اڈہ پہنچا۔لاری اڈہ شہر سے

کافی دور ایک سنسان جگہ پر نیا ہی بنا تھا۔ یہ میانوالی کے لئے میرا پہلا سفر تھا،اس علاقہ اور شہر کے ماحول سے بالکل نا آشنا تھا۔بس سے اتر کر دیکھا کہ یہاں جنگل بیابان ہے۔ ایک رکشے والے سے بات کی اور اسے کلوریاں سٹریٹ پہنچانے کی درخواست کی۔ لاری اڈہ چونکہ شہر سے خاصے فاصلہ پر تھا، شہر جانے کے لئے نہر کے کنارے کنارے سفر کرنا تھا۔ اب میانوالی کا پردیسی ماحول، ہر سو تاریکی اور رات کی تاریکی میں رکشہ میں سوار نہر کے کنارے کنارے رواں دواں تھا۔ دلِ ناداں کئی قسم کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اللہ، اللہ کر کے مشن ہاؤس پہنچے۔ یہ مکان نما مشن ہاؤس میانوالی ریلوے سٹیشن سے مختصر مسافت پر ایک بند گلی میں واقع تھا۔بخیریت پہنچنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ رکشہ والا شریف آدمی تھا۔ اجرت لے کر فوری رفو چکر ہو گیا۔ میں نے سامان اٹھایا اور مربی ہاؤس کے دروازہ پر پہنچا، گلی کافی تاریک تھی۔ دروازہ پر دستک دی۔لیکن جواب نہ دارد۔ جب دروازہ کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں تو تالہ لگا ہوا ہے۔

اب رات کا وقت ، ہر جانب ہو کا عالم اور میں بے بسی کی حالت میں کھڑا تھا کیونکہ میرا شہر بھر میں ایک ہی تو تعارف تھا اور وہ یہاں موجود نہیں۔ خیر، میں نے سامان اٹھایا اور پھر بھاری قدموں سے بازار میں آ کھڑا ہوا۔ سوچا کم از کم کچھ روشنی تو ہے۔ شاید کوئی بھولا بھٹکا انسان مل جائے۔

شرافت زندہ تھی

کچھ دیر کے بعد دو پولیس آفیسر ایک جانب سے آ گئے۔ علیک سلیک کے بعد انہیں بتایا کہ ایک مسافر ہوں۔ پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ میرا تعلق جماعتِ احمدیہ سے

ہے۔لیکن اتفاق سے میرا میزبان گھر پرنہیں ملا۔کیا آپ کسی احمدی کواس شہر میں جانتے ہیں۔انہوں نے بتایا ہم تو کسی احمدی کونہیں جانتے لیکن آپ فکر نہ کریں کچھ کرتے ہیں۔کہنے لگے آپ ہمارے ساتھ آئیں، ہم چل پڑے۔تھوڑی دور ایک دوکان میں دونوجوان سفیدی کررہے تھے۔پولیس آفیسر نے انہیں پوچھا۔کیا آپ کسی قادیانی کو یہاں جانتے ہیں۔انہوں نے بتایا کہ ہاں یہاں قریب ہی ایک قادیانی کا گھر ہے۔جس پر وہ نوجوان مجھے اس گھر پر لے گیا۔یہ فرشتہ سیرت بزرگ قریشی احمد شفیع صاحب کا گھر تھا۔انہوں نے کمال محبت اورالفت سے بڑی ہی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا۔آج تک وہ نظارہ میرے دل ودماغ پرنقش ہے۔

میانوالی کی چند شخصیات

حضرت غلام حسن صاحب پشاوری رضی اللہ عنہ

مکرّم حضرت غلام حسن خان نیازی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ کرام میں سے ہیں۔

آپ کا تعلق میانوالی کے معروف قبیلہ نیازی سے ہے۔لیکن اوائل جوانی میں بغرضِ تعلیم پشاور تشریف لے گئے۔پھر ساری عمر پشاور میں رہے۔جس کی وجہ سے پشاوری کہلائے۔ان کے روحانی مقام کا ادراک اس بات سے ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی شادی حضرت غلام حسن خان صاحب کی صاحبزادی سرور سلطان صاحبہ کے ساتھ کی۔اس طرح حضرت مرزا مظفر احمد

صاحب مکرم حسن خان صاحب کے نواسے ہیں۔

نیازی خاندان میانوالی کا ایک بہت ہی مضبوط اور دنیاوی اعتبار سے بااثر قبیلہ ہے۔ان کے خاندان میں کسی اور کو قبولِ حق کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔

قریشی احمد شفیع صاحب

صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

میانوالی شہر میں ایک احمدی بزرگ مکرّم قریشی احمد شفیع صاحب رہتے تھے۔اب تو خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔موصوف حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔جو کسی زمانہ میں بھیرہ سے میانوالی آ کر آباد ہو گئے تھے۔یہ بزرگ شہر بھر میں واحد احمدی تھے جن کا یہاں پر اپنا ذاتی مکان تھا۔باقی جو چند احمدی اس شہر میں تھے وہ بغرضِ کسبِ معاش یہاں آ کر آباد تھے۔

انبیاء کرام کو ماننے والوں پر جب ابتلاء آتے ہیں۔تو اس کسوٹی کے ذریعہ ایمان والوں کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔سب دیکھنے اور سننے والے بھی اس امر کے گواہ بن جاتے ہیں۔کہ یہی وہ طریق ہے۔ایمان لانے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اور وہ کس طرح جوانمردی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول کی خاطر صبر و شکیب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔جن کی مثال صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام کے سچّے پیروؤں کی سنت ہوتی ہے۔

مکرّم قریشی صاحب پورے شہر میں اکیلے ہی احمدی دوکاندار تھے۔جب

1953 کے فسادات ہوئے،ان کی دوکان پر ہجوم نے دھاوا بول دیا۔جو کچھ کسی کے ہاتھ لگا اپنے باپ کا مال سمجھ کر چلتا ہوا۔دوکان خالی ہوگئی۔لیکن اللہ نے فضل فرمایا۔پھر آپ نے پس انداز کی ہوئی قلیل پونجی سے کاروبار شروع کیا۔اللہ نے دستگیری کی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کاروبار نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کرنی شروع کی اور بہت جلد قریشی صاحب کا کاروبار مستحکم ہوگیا۔

1974 میں پھر دشمنانِ حق نے اینٹی احمدیہ تحریک شروع کی۔اور یہ مسموم ہوا میانوالی میں بھی پہنچ گئی۔ایک بار پھر شیطان کے چیلوں اور فساد کے متوالوں نے شہر بھر میں جلوس اور ہنگامے شروع کر دئے۔

ایک بار پھر قریشی صاحب ان کے مظالم کا نشانہ بنے۔آپ کو سرِ بازار مارا پیٹا گیا۔جس سے آپ خاصے مجروح ہوئے۔ان فسادیوں کا ایک اہم مقصد تو دوکان کو لوٹنا تھا۔وہ بھی لوٹی گئی۔

جب فسادات کا زور ٹوٹا اور حالات سازگار ہوئے۔تو مکرّم قریشی صاحب ایک بار پھر اپنی دوکان میں آئے۔تھوڑا سا سامان ادھار لے کر دوکان میں سجالیا۔

ایک روز ایک عمر رسیدہ شخص آپ کی دوکان پر آیا۔یہ شخص آپ کا پرانا شناسا تھا۔آپ سے مخاطب ہوا، کہنے لگا۔قریشی صاحب۔اگر مرزا صاحب اپنے دعوی میں سچے ہیں۔تو بخدا تمھارا مقام صحابہ کا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص جو قریشی صاحب کا خاصا اچھا دوست اور ہمدرد تھا۔آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا قریشی صاحب آپ کو اس مار پیٹ اور مال ومتاع کے کئی بار لوٹے جانے کے بعد بھی خوف نہیں آتا؟

قریشی صاحب کہنے لگے۔ بھائی جب انسان نہاتا ہے تو پہلی دفعہ پانی جسم پر ڈالنے سے ڈر لگتا ہے۔لیکن جب ایک دفعہ ٹھنڈا پانی جسم پر ڈال لیتا ہے تو اس کے بعد جتنی بارمرضی پانی ڈالتے جائیں۔ تکلیف نہیں ہوتی۔اس لئے مجھے مار پیٹ اور نقصانات سے اب کوئی خوف نہیں آتا۔

صوبیدار بشیر احمد صاحب خلافت سے عشق

میانوالی جماعت کے صدر مکرّم صوبیدار بشیر احمد صاحب تھے۔کہیں دوسرے علاقہ سے بغرضِ ملازمت یہاں تشریف لائے بعدازاں ان کے بیٹوں نے وہیں ورکشاپ کھول لئے۔اس طرح موصوف میانوالی کے ہی بن گئے۔لمبا عرصہ خدمتِ دین کی توفیق پائی۔ ہمدرد اور نیک انسان تھے۔

مکرم صوبیدار صاحب خلافت کے عاشقِ صادق تھے۔ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔جس شام مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی۔میں نے اسی رات سب احمدیوں کے گھروں میں جا کر یہ افسوسناک خبر پہنچا دی۔ تاکہ اگر کوئی دوست ربوہ جانا چاہیں تو بروقت تیاری کر سکیں۔اسی سلسلہ میں، میں مکرم صوبیدار بشیر احمد صاحب کے گھر پہنچا۔تو اندر سے اونچی اونچی گریہ وزاری اور سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔یہ صوبیدار صاحب تھے۔جو رات کی تاریکی میں اپنے صحن میں اپنے امام اور روحانی باپ کی شفایابی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی رحمت کے دروازہ پر دستک دے رہے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھولا۔میں نے انہیں خبر سنائی۔جس پر ان کے دکھ درد کی کیفیت ناقابل بیان ہے۔

ایسے لگتا تھا جیسے انہیں الہام ہو رہا ہو

میانوالی ریلوے پولیس سٹیشن میں ایک پولیس آفیسر شاہ صاحب تھے۔جن کا تعلق میرے آبائی علاقہ سے تھا۔میں کبھی کبھار ان کے پاس جایا کرتا تھا اور وہ بھی چند دفعہ باوردی میرے پاس مسجد تشریف لائے۔بہت سلجھے ہوئے انسان تھے۔ایک دن میں ان کو ملنے کے لئے پولیس سٹیشن گیا،وہاں پر ایک اور پولیس آفیسر بھی تشریف فرما تھے۔شاہ صاحب نے مہمان کے بارے میں مجھے بتایا کہ یہ صاحب بھی میری طرح پولیس آفیسر ہیں اور ان کا گاؤں چچیاں ہے جو ہمارے گاؤں کے قریب ہے اور میرے بارے میں انہیں بتایا کہ یہ جماعت احمدیہ کے مربّی ہیں اور ہمارے ہی علاقہ سے ان کا تعلق ہے۔مہمان دوست کہنے لگے۔ہمارے ایک عزیز چوہدری محمد عالم صاحب آف فتچپور بھی احمدی ہیں۔بسا اوقات وہ ہمارے ہاں تشریف لاتے تھے۔ان کی عجیب شخصیت تھی۔جب وہ باتیں کرتے تھے تو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے انہیں الہام ہو رہا ہے۔

چوہدری محمد عالم صاحب کا تعلق ہمارے گاؤں سے ہی تھا۔بہت ہی نیک،بہادر انسان اور سماجی شخصیت تھے۔انہیں ایک لمبا عرصہ بطور صدر جماعت احمدیہ خدمت کی توفیق ملی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر از جماعت لوگوں پر بھی احمدی احباب کا ایک نیک اثر ہوتا تھا۔

مکرم شیخ منیر احمد صاحب شہید

(امیر جماعت احمدیہ لاہور)

1982ء میں مکرم شیخ منیر احمد صاحب کا بطور سیشن جج میانوالی میں تبادلہ ہوا۔ مکرم شیخ صاحب نے فوری طور پر مسجد سے رابطہ کیا۔ موصوف اپنے فارغ اوقات میں نمازوں کے لئے مسجد میں تشریف لاتے۔ چندہ جات میں بڑے باقاعدہ، نماز و روزہ میں ایک قابل تقلید مثال تھے۔

حدیقۃ الصالحین ایک لاجواب کاوش

از۔مکرم ملک سیف الرحمان صاحب مفتی سلسلہ عالیہ

غیر از جماعت جج کے تأثرات

ایک دن مکرم شیخ صاحب نے بتایا کہ چند روز پہلے ایک جج صاحب کی ٹرانسفر میانوالی شہر میں ہوئی ہے۔ اتفاق سے انہیں میرے ساتھ والا بنگلہ مل گیا۔ میں نے حسبِ توفیق ان کی خاطر مدارت کی۔ مزید ان کی خدمت میں عرض کی کہ اگر کوئی اور خدمت درکار ہو تو بلا جھجک ارشاد فرمادیں۔ موصوف کہنے لگے میرا سامان بند پڑا ہے۔ اس لئے اگر ہو سکے تو مجھے کوئی کتاب پڑھنے کے لئے دیدیں۔ شیخ صاحب کہنے لگے، میں سوچ میں پڑ گیا کہ معلوم نہیں، جج صاحب کا ذوق کیا ہے۔

سیاست، مذھب، تاریخ کی کونسی کتاب انہیں پیش کروں۔ میں متذبذب تھا۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ بالآخر میں نے مختلف موضوعات پر کتب لیں اور ان کی خدمت

میں حاضر ہو گیا۔ ان کتب میں مکرم ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم (سابق مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ) کی تصنیفِ منیف حدیقۃ الصالحین بھی تھی۔ اگلی صبح اس دوست سے ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں پوچھا۔ چند کتابیں رات کو آپ کی خدمت میں پیش کی تھیں۔ نہ معلوم وہ آپکے ذوقِ سلیم کے موافق تھیں یا نہیں۔ جج موصوف فرمانے لگے۔ میں نے صرف حدیقۃ الصالحین کا ہی مطالعہ کیا ہے۔ بخدا پہلی بار حدیث کی کتاب پڑھنے کا لطف آیا ہے۔ کسی بھی موضوع کو سمجھنے کی توفیق ملی ہے۔ بڑی بڑی کتب تو کسی نتیجہ پر پہنچانے کی بجائے نارسا ذہن میں متعلقہ موضوع کے بارے میں اور بہت سے سوالات پیدا کر دیتی ہیں۔ کیونکہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے پرائمری کے طالب علم کو یونیورسٹی کی کتاب پڑھنے کو دے دیں۔

تیری سادگی پر

1982ء میں جماعتِ احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے دن تھے۔ ربوہ میں احمدیت کے دیوانوں کا ایک ایسا ہجوم تھا کہ کھوّے سے کھوّا اچھلتا تھا۔ سخت سردی کے ایّام تھے۔ بازار میں مختلف قسم کی دوکانیں اور ٹھیلے لگے ہوئے تھے۔ بعض لوگوں نے سرِ بازار زمین پر ہی پرانے کپڑوں کے ڈھیر لگائے ہوئے تھے۔ بہت سارے لوگ مالی وسعت نہ ہونے کی وجہ سے ان پرانے کپڑوں کی خریداری کر کے اپنے آپ کو سردی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک روز میں بازار سے گزر رہا تھا۔ ایک جگہ پر بہت سے لوگ اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق پرانے کپڑے خریدنے کے لئے انتخاب کر رہے تھے۔ میں نے

دیکھا کہ مکرم شیخ منیر احمد صاحب جو کہ ایک بہت ہی اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ وہ بھی اس کپڑوں کے ڈھیر کے پاس کھڑے خریداری فرمارہے تھے۔ میں ایک جانب سے گزر گیا۔لیکن آج تک وہ نظارہ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ میرے دل میں اس واقعہ نے ان کے مقام کو اور رفعت اور عظمت بخش دی۔ پاکستان میں تو ان کے شعبہ سے وابستہ چھوٹے چھوٹے کارکن بھی پُرتعیّش زندگیاں بسر کرتے ہیں۔ جبکہ احمدی افسران بڑی ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور کسی طرح بھی کسی ناجائز ہتھکنڈے سے کسی کی حق تلفی نہیں کرتے۔

فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمة

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ بیماری اور سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی ارشاد حکمت سے خالی نہیں ہے۔ بسا اوقات انسان اپنی کم علمی اور کم فہمی کی بنا پر اسے سمجھ نہیں پاتا اور نقصان اٹھاتا ہے۔

میانوالی شہر میں ایک دوست عبدالرحمان بھٹی صاحب رہتے تھے۔ کسی دور میں نہ معلوم کس وجہ سے میانوالی آ کر آباد ہوئے اور انہوں نے اپنا مکان بھی خرید لیا۔ لیکن 1974ء کے فسادات میں ان کی دوکان لوٹ لی گئی۔ جس کے بعد ان کی فیملی ربوہ منتقل ہوگئی۔ لیکن خود کاروباری سلسلہ میں میانوالی میں رہتے تھے۔ ایک دن میں ربوہ سے میانوالی رات گئے پہنچا۔ اگلے روز پہلا روزہ تھا۔ جس کا مجھے علم نہ ہوسکا۔ فجر کی نماز پر ایک دوست نے مجھ سے پوچھا۔ مربی صاحب کیا آپ نے روزہ رکھا ہے؟ میں نے بتایا، مجھے تو روزہ کے بارے میں علم نہیں ہوا۔ بہرحال میں روزہ رکھ ہی لیتا ہوں۔ مکرم بھٹی صاحب بھی

قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے چلو میں بھی روزہ اسی طرح رکھ لیتا ہوں۔ (یعنی آٹھ پہرہ روزہ) میں نے بھٹی صاحب کو عرض کی میں تو جوان ہوں آپ بزرگ بھی ہیں اور شوگر کے مریض بھی ہیں اس لئے آپ روزہ نہ رکھیں۔ مگر وہ مصر رہے اور انہوں نے روزہ رکھ لیا۔ اسی روز نماز ظہر کے قریب وہ بے ہوش ہو گئے۔ انہیں ربوہ لے جایا گیا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مکرّم بھٹی صاحب باوجود ہر ممکنہ کوشش کے جانبر نہ ہو سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احمدیت ایک روحانی پیدائش

مکرم عزیز الرحمان صاحب منگلا۔ 1982 میں مکرم منگلا صاحب سرگودھا شہر میں بطور مربی سلسلہ خدمت بجالا رہے تھے۔ آپ کا تعلق سرگودھا کے ایک معروف قصبہ چک منگلا سے تھا۔ 1953 میں احمدیت کے خلاف فسادات میں پیش پیش تھے۔ ان پُرآشوب دنوں میں احمدیت کی تائید و نصرت میں چند معجزات دیکھے، سعید فطرت تھے، احمدیت قبول کر لی۔ موصوف جماعت کے ایک جیّد عالم تھے۔ بڑے ہی سادہ لوح اور ہمدرد وجود تھے۔ آپ کا لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ سر پر عام سی پگڑی ہوتی، شلوار کی بجائے تہبند کا استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ خاکسار نے انہیں میانوالی جماعت کے کسی اجلاس میں تقریر کی دعوت دی۔ احبابِ جماعت کو آپکی آمد کی خبر دی۔ آپ جب تشریف لائے تو حاضرینِ مجلس جن میں سے اکثریت سرکاری افسران اور دیگر پڑھے لکھے احباب کی تھی۔ انہیں مہمان کے اس مخصوص لباس کو دیکھ کر قدرے مایوسی ہوئی۔ کہتے ہیں ''الناس باللباس''، یعنی۔ پہلے لوگ کسی نووارد کے بارے میں اس کے لباس کی بنا پر اسکی شخصیت

وحیثیت کو جانچتے ہیں۔ پھر اگر اس سے بات چیت کا اتفاق ہو تو پھر اسکی گفتگو سے اس کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں۔ بعدازاں اس سے صحبت کے نتیجہ میں کردار کی باری آتی ہے۔

جب منگلا صاحب کو دعوتِ خطاب دی گئی۔ آپ منبر پر تشریف لائے۔ آغازِ تقریر میں آپ نے بتایا کہ میری ایک پیدائش میانوالی شہر کی ہے۔ پھر بتایا کہ انسان کی دو پیدائشیں ہوتی ہیں۔ایک جسمانی اور ایک روحانی اور میرے استاذ مکرم پیر منورالدین صاحب کا تعلق بھی میانوالی کے علاقہ سے تھا۔جن کی ہدایت اور ایماء پر میں نے احمدیت قبول کی۔اس لئے میری روحانی پیدائش اس شہر کی ہے۔اس کے بعد آپ نے ایک ایسی علمی اور پُرمعرفت اور پرمغز تقریر کی جس کا ذکر تادیر سامعین کے ورِدِ زبان رہا۔

جماعت احمدیہ میانوالی

ضلع بھر میں صرف چند مقامات پر اکّا دُکّا احمدی دوست تھے۔ یہ سب دوست کسبِ معاش کے سلسلہ میں اس علاقہ میں مقیم تھے۔

مسجد احمدیہ میانوالی

سردی کے ایّام تھے۔ مَیں مسجد کے صحن میں اداس سا بیٹھا ہوا تھا۔اچانک باہر کا دروازہ کھلا اور ایک بڑی عمر کا شخص اندر داخل ہوا۔اس شخص نے میانوالی کا روایتی لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔یعنی پگڑی وغیرہ باندھی ہوئی تھی۔صحن میں آ کر اسنے سلام کہا۔ میں نے انہیں خوش آمدید کہا اور بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی۔لیکن وہ بیٹھا نہیں، مجھے کہنے لگا

آپ جماعتِ احمدیہ کے مربی ہیں؟ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔اسپر کہنے لگے آپ لوگ بہت جھوٹ بولتے ہیں۔میں اس شخص کے اندازِ کلام پر بڑا متعجب اور حیران ہوا۔میں نے عرض کی،آپ بیٹھیں،بات کرتے ہیں۔لیکن صاحب کھڑے رہے۔میں نے عرض کی آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے۔آپ کے اخبارات و جرائدان مضامین سے بھرے پڑے ہوتے ہیں کہ ہم نے افریقہ کے فلاں ملک میں مسجد بنادی،فلاں شہر میں مسجد بنادی ہے جبکہ میانوالی میں آپ کی مسجد کا یہ حال ہے۔اس کے بعد باوجود میری،میرے پاس بیٹھنے کی استدعا کے وہ اجنبی دوست تشریف لے گئے۔اور میرے دل ودماغ کے لئے ایک سوال چھوڑ گئے۔

تعمیرِ مسجد کا پروگرام

اسی روز مکرم صدر صاحب مسجد میں تشریف لائے۔میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ ہمیں ایک نئی مسجد بنانی چاہیے۔کہنے لگے۔ہماری قسمت میں مسجد کہاں۔پہلی بات تو ہماری مالی حالت ہی ایسی ہے۔ہم صرف چند مزدور پیشہ دوست ہیں۔جو بمشکل اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔دوسرے شہر میں سخت مخالفت بھی ہے۔لوگ بڑے متعصب اور اجڈ ہیں۔

میں نے عرض کی۔اگر ان دو کمروں میں جو آگے پیچھے ہیں۔ان کی درمیان سے دروازہ اور دونوں کھڑکیاں نکال دیں تو پھر ایک چھوٹا سا ہال نما کمرہ بن جائے گا جس میں ہم نمازیں ادا کرلیا کریں گے۔اور اس پر زیادہ خرچ بھی نہیں آئے گا۔صدر صاحب راضی ہوگئے۔نمازِ عشاء کے بعد جب نمازی اپنے گھروں کو چلے گئے۔میں نے ایک ہتھوڑا لیا

اور اس کی مدد سے دونوں کمروں کے درمیان دروازہ اور دونوں کھڑکیاں نکالنی شروع کردیں۔ کافی تگ ودو کے بعد میں نے یہ کام مکمل کرلیا۔ صبح کی نماز پر دوست تشریف لائے۔ وہ مسجد کی صورت حال دیکھ کر سخت پریشان ہوگئے۔ بہرحال اب واپسی کا کوئی رستہ نہ تھا۔ مسجد میں صفائی کے لئے خدام کو وقارِعمل کے لئے بلایا گیا۔ الحمدللہ صفائی ہوگئی اور جگہ نماز کے قابل ہوگئی۔

تکمیلِ مسجد کے معجزانہ اسباب

اب ہم نے سوچا اگر پوری دیوار کو ہی نکال دیں تو پھر یہ ایک باقاعدہ ہال بن سکتا ہے۔ چند دن اسی کشمکش میں گزر گئے۔ ایک دن مکرم صدر صاحب میرے پاس مسجد میں تشریف لائے۔ اتفاق سے ایک احمدی بھائی مکرم عبدالحمید صاحب انہی دنوں کسی اور شہر سے میانوالی میں بطور ایکسیئن ٹرانسفر ہوکر آئے تھے۔ مسجد میں آگئے۔ کہنے لگے ادھر آیا ہوا تھا سوچا آپ کو سلام کرلوں۔ میں نے انہیں مسجد دکھائی اور عرض کی اگر ہم چند ہزار روپے خرچ کر کے اس میں بیم ڈال دیں تو یہ ایک مناسب ہال بن جائے گا۔ کہنے لگے یہ کام چند ہزار کا نہیں ہے۔ یہ تو کم ازکم دس ہزار کا نسخہ ہے۔ میں ان کی یہ بات سن کر قدرے پریشان ہوگیا۔ اس پر کہنے لگے۔ آپ فکر نہ کریں آپ یہ پانچ ہزار مجھ سے ابھی لے لیں۔ اور یہ کارِخیر شروع کردیں۔ نیز کہنے لگے۔ آپ اس مسجد پر بیم ڈلوائیں، دیواروں کی چھلائی کر کے سارے نئے پلستر کریں فرش اکھاڑ کر بہترین چپس ڈالیں، مسجد کے صحن کو اکھاڑ کر نئے فرش بنائیں، مسجد میں پانی کے لئے ایک موٹر لگوائیں۔ انشاء اللہ اس کے سارے اخراجات میں ادا کروں گا۔ مربّی ہاؤس کے لئے آپ لوگ جیسے ممکن ہے انتظام

کرلیں۔ مسجد کا سارا کام میں اکیلے ہی کروں گا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے واقعہ پر حیران و ششدر رہ گئے۔ پھر بفضل تعالیٰ چند مہینوں میں ایک بہت ہی خوبصورت مسجد بن گئی۔ الحمدللہ

اس کے بعد خدّام وانصار کی انتھک محنت اور قربانی اور مرکز کے تعاون سے ایک خوبصورت سا مربّی ہاؤس بھی بن گیا۔ الحمدللہ

اس معجزانہ کرشمہ میں سب خدّام اور انصار نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق دل کھول کر مالی قربانی دی۔ مکرّم منیر الرحمان صاحب مرحوم و مغفور اور مکرم عبدالمؤمن محمود صاحب کے موٹر سائیکل بہت بڑی نعمت تھے۔ جن پر سوار ہو کر ہم لوگ ضلع بھر میں دورے کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مشکل میں ایک غیبی امداد

جن دنوں میانوالی میں مسجد زیرِ تعمیر تھی۔ شہر میں چند شر پسند مولویوں نے جماعت کے خلاف جلوس نکالنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ ایک دن جمعہ کے روز ایک مولوی نے ریلوے سٹیشن کے قریب مسجد میں بڑی دھواں دار تقریر کی اور لوگوں کو جماعت کے خلاف بہت اکسایا۔ سامعین میں سے ایک آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس نے مولوی کو مخاطب ہو کر کہا۔ تم کونسا اسلام پیش کر رہے ہو۔ تم ہمیں کوئی پیار محبت کی بات بتاؤ۔ تم تو صرف نفرت اور تعصب اور ظلم و ستم کا درس دے رہے ہو۔ اس نامعلوم دلیر اور بہادر آدمی نے مولوی سمیت سب کو ٹھنڈا کر دیا اور سب لوگ مسجد سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس طرح معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ نے جماعت کی حفاظت فرمائی۔

ایک نوجوان کا وقارِ عمل

میانوالی میں مسجد زیرِ تعمیر تھی۔ ایک روز مسجد میں وقارِ عمل کے لئے اعلان کیا گیا۔ مقررہ دن پر کافی احباب تشریف لائے۔ ان میں اکثر سرکاری ملازمین تھے۔ ان میں سے ایک خاصی تعداد سرکاری افسران کی تھی۔ اگلے روز ایک نوجوان جو کہ ایئر فورس میں فلائیٹ لیفٹیننٹ تھے۔ اور میانوالی بیس میں متعین تھے۔ خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے، کل کسی مصروفیت کی بنا پر میں نہیں آ سکا اس لئے معذرت خواہ ہوں۔ آج میں فارغ ہوں اس لئے اب حاضر ہو گیا ہوں۔ مجھے کوئی کام بتائیں کہ میں کیا کام کر سکتا ہوں۔ انہیں بتایا کہ ہم نے تو راستہ سے اینٹیں اٹھائی تھیں۔ اس طرح وہ کافی دیر تک اینٹیں گلی سے اٹھاتے رہے جو رستہ بلاک کر رہی تھیں۔ آج تک میرے دل و دماغ میں اس نوجوان آفیسر کیلئے جماعت کے ساتھ اخلاص و محبت اور اطاعت کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔

کسی کو خدا نہیں بنانا چاہیے

مسجد کی تعمیر کا بیڑہ تو مکرم چوہدری عبدالحمید صاحب ایکسیئن ضلع میانوالی نے اپنے ذمّہ اٹھا لیا۔ اب مربّی ہاؤس کے تعمیراتی اخراجات کا انتظام کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ پروگرام ترتیب دیا گیا۔ احبابِ جماعت سے چندہ کی اپیل کی جائے۔ انتظامیہ نے بعض مخیّر حضرات کی فہرست تیار کی۔ جن سے رابطہ کیا گیا۔ سب دوستوں نے حسبِ استطاعت اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔ ایک دوست اس علاقہ میں ایک معروف ٹھیکیدار تھے۔ ان کے بارے میں علم ہوا۔ دوستوں کو اُمید تھی کہ یہ صاحب مالی وسعت رکھتے

ہیں۔ان سے پانچ ہزارروپے تومل ہی جائیں گے۔ان سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے پچاس روپے دینے کا وعدہ کیا۔ہمیں اس سے سخت مایوسی ہوئی۔اس روز شام کوائربیس ایک احمدی ونگ کمانڈر صاحب کے گھر کسی کام کے لئے جانا ہوا۔ابھی میں گھر میں داخل ہی ہوا ہی تھا۔مجھے دیکھ کر کہنے لگے،مربی صاحب مبارک ہو۔سرگودھا سے ایک ڈاکٹر صاحب نے پانچ ہزارروپے ہماری مسجد کے لئے بھیج دئے ہیں۔اتفاق سے ان تینوں کرداروں کا ایک ہی نام تھا۔

عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

اب ضیائی دور کے تاریک کارناموں کا ذکر ہوجائے۔ جب ضیاءالحق نے جماعتِ احمدیہ کو کینسر قرار دے کر اسے مٹانے کی ہر ممکنہ کوشش کی۔لیکن سنّتِ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مورد بن گیا۔

اس دور میں ایئرفورس میں احمدی ملازمین کو ایک سائڈ پر کرنے کی خاطر انہیں غیراہم مراکز میں تعیّنات کردیا گیا۔اتفاق سے ان کی نگاہ میانوالی بیس پر پڑی۔جس کے نتیجہ میں بہت سارے احمدی ملازمین میانوالی پہنچ گئے۔اس دور میں میانوالی میں مقامی جماعت کے صرف چند گھرانے تھے،لیکن ان ملازمین کی آمد سے ہماری جماعت خاصی بڑی ہوگئی۔ جمعہ کے روز مسجد بھر جاتی۔ان میں بڑے بڑے افسران اور دیگر شعبہ جات سے سب ہی مخلصانہ طور پر جماعت سے وابستہ تھے۔ان سب نے مسجد کی تعمیر میں ہر قسم کا تعاون کیا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاء

الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نُصِرْتُ بِالرُّعْب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہامًا وعدہ فرما رکھا ہے۔ دشمن پر آپ اور آپ کے ماننے والوں کا رعب رہے گا۔ جو ہم اپنی روزمرّہ زندگیوں میں باوجود اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے مشاہدہ کرتے ہیں۔

خاکسار کو پاکستان میں ایک لمبا عرصہ بطورِ مربی سلسلہ خدمت کی توفیق ملی۔ اس دوران میں نے ہمیشہ یہ دستور اختیار کر رکھا تھا کہ جہاں بھی کسی اجنبی سے کہیں بھی ملاقات ہوتی۔ تو سب سے پہلے میں اسے یہ بتا دیتا تھا کہ میں جماعتِ احمدیہ کا مربّی ہوں۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ حضرت مسیحِ موعود کے الہام اور خدائی وعدہ کی وجہ سے ہر کسی نے اپنوں اور غیروں نے احترام کی نگاہ سے دیکھا۔ الحمدللہ

جماعتِ اسلامی کے ممبرز سے ملاقات

میانوالی میں ایک بہت ہی شریف النفس پروفیسر تھے۔ جن کا نام منوّر علی صاحب تھا۔ مقامی کالج میں انگریزی پڑھاتے تھے۔ شعر وشاعری سے بھی شغف تھا۔ شہر میں ایک ادبی تنظیم کے سرگرم کارکن بھی تھے۔ ایک دفعہ ان سے ملاقات ہوئی، انہیں بتایا کہ میں یہاں جماعت کا مربّی ہوں۔ بڑے تپاک سے ملے۔ میں نے ان سے درخواست کی اگر ممکن ہو تو مجھے انگریزی کے اسباق دے دیا کریں، جو انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔ یہ دراصل ملاقات کا ایک بہانہ تھا۔ میں کئی دفعہ ان کے دولتخانہ پر حاضر ہوتا۔

ہمیشہ ہی احترام سے پیش آتے ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک روز میں کسی کام کے سلسلہ میں انہیں ملنے کے لئے کالج گیا۔اس تعلیمی ادارہ میں جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔کالج کی عمارت میں پہنچا وہاں اس وقت بریک ٹائم تھا۔ اس لئے ہر طرف طلبہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں نے ایک طالبعلم سے پوچھا کہ میں نے پروفیسر ڈاکٹر منور علی صاحب سے ملنا ہے۔اس نے مجھے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔

میں نے جواب میں بتایا کہ میرا نام منوّر احمد ہے اور میں جماعتِ احمدیہ کا میانوالی میں مربّی ہوں۔ اس پر اس نے دور کھڑے ایک نوجوان کو آواز دی، ادھر آؤ، دیکھو یہ جماعت احمدیہ میانوالی کا ناظم ہے۔ میں بڑے اعتماد سے ادھر کھڑا رہا۔ اتنے میں پانچ چھ اور طالبعلم بھی ادھر آ گئے۔ان میں سے ایک نے بتایا کہ ہم جماعتِ اسلامی کی تنظیم کے ممبرز ہیں۔ میں نے کہا مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ میری رہائش شہر میں ہے۔آپ اگر میرے پاس تشریف لائیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔تھوڑی دیر بات چیت ہوئی۔ بہر حال انہوں نے میرا بڑا احترام کیا۔ بلکہ ان میں سے ایک نوجوان کئی دفعہ مسجد میں مجھے ملنے بھی آتا رہا۔ وہ بی اے کا طالب علم تھا۔ میں نے اسکی عربی کورس کے سلسلہ میں ممکنہ معاونت اور رہنمائی بھی کی۔

دلچسپ تبلیغی واقعہ

ایک دن میں گجرات سے میانوالی بس پر جا رہا تھا۔منڈی بہاؤالدین سے ایک دوست بس میں سوار ہوئے اور میرے ساتھ والی سیٹ پر تشریف فرما ہو گئے۔علیک سلیک ہوئی۔میرے پاس بخاری شریف تھی۔سوچا تھا،سفر اچھا گزر جائے گا۔ جونہی سفر شروع

ہوا۔ دوست کہنے لگے بھائی صاحب یہ کونسی کتاب ہے۔میں نے عرض کی یہ حدیث کی کتاب ہے۔انہوں نے چندایک سوالات حدیث کے بارے میں پوچھے جن کے جوابات حسبِ علم دے دئے پھر کہنے لگے کہاں جانا ہے میں نے بتایا کہ میانوالی کا ارادہ ہے۔ کہنے لگے کیا کام کرتے ہیں میں نے بتایا کہ جماعتِ احمدیہ کا مربّی ہوں۔ کہنے لگے یہ احمدی کیا ہوتا ہے۔ میں نے حسبِ علم جوابات دینے شروع کر دئے۔ پڑھے لکھے دوست تھے۔ انہوں نے کافی سوالات پوچھے جن کے میں نے جوابات دئے۔سرگودھا سے کچھ قبل چکیاں موڑ کا سٹاپ آتا ہے۔میں نے عرض کی میں نے اب یہاں سے دوسری بس لینی ہے۔ان کا شکریہ ادا کیا۔انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔اس کے بعد کہنے لگے الحمدللہ سفر اچھا گزر گیا ہے۔ میں دو گھنٹے تک اپنے گھر ربوہ پہنچ جاؤں گا۔ دراصل وہ احمدی دوست تھے، منڈی بہاؤالدین کے علاقہ میں کسی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔لیکن کیا زمانہ تھا، شرافت زندہ تھی۔ برداشت اور رواداری کسی حد تک معاشرہ میں تھی۔ ہم لوگ اونچی آواز میں بات چیت کرتے رہے، کسی نے نہ برا منایا، بلکہ دیگر مسافر بھی سنتے رہے۔

عیسیٰ خیل

میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل ہے۔ یہ شہر بہت ساری بنیادضروریات حیات سے محروم ہے۔ ہمارے ایک احمدی دوست عیسیٰ خیل کالج میں بطور لیکچرار خدمات بجالا رہے تھے۔ ایک دفعہ میں انہیں ملنے وہاں گیا۔ان کا قیام کالج کے ہاسٹل میں تھا۔ان سے ملاقات ہوئی۔ان کے روم میٹ ایک شریف النفس غیر از جماعت دوست تھے۔میں نے احمدی دوست سے عرض کی کیا ہمیں اس ماحول میں تبلیغ کرنی چاہیے۔ کہنے لگے دل کھول کر

تبلیغ کریں۔ مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔زیادہ سے زیادہ اربابِ اختیار میرا تبادلہ کہیں اور کر سکتے ہیں۔اور یہ سودا مہنگا نہیں ہوگا کیونکہ پنجاب بھر میں اس سے زیادہ کوئی مشکل مقام نہیں ہے۔غیر از جماعت دوست کہنے لگے۔اس شہر کا نام اصل میں عیسیٰ جیل تھا جو غلطی سے عیسیٰ خیل بن گیا ہے۔یعنی یہ شہر ہر قسم کی بنیادی سہولیات زندگی سے محروم ہے۔

کیا ہمیں معذور کیا جا رہا ہے

جب ہم لوگ عیسیٰ خیل جا رہے تھے۔رستہ میں ہم نے دیکھا کہ ایک پہاڑی کے دامن میں کافی لوگ مجمع لگائے بیٹھے ہیں اور خواتین دوسری جانب ڈیرہ لگائے بیٹھی ہیں۔ ڈھول بج رہے ہیں۔ چند نوجوان محوِ رقص ہیں۔ایک جانب بڑی بڑی دیگیں پک رہی ہیں۔سوچا کہ کوئی تقریب ہے۔لیکن اگلے روز جب ہم واپس آرہے تھے۔تو پھر وہی صورت حال تھی۔استعجابًا ایک دوست سے استفسار کیا کہ بھئی یہاں کیا ہو رہا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ افغان مہاجرین ہیں۔ یہ ان کا روز مرّہ کا معمول ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ ان کے نان ونفقہ کی ذمہ دار ہے اور یہ لوگ سالہا سال سے ایسے ہی مزے کر رہے ہیں۔یہیں ان کی نسلیں پیدا ہو کر جوانی کی دہلیز پر آ پہنچی ہیں۔

کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ قبل انڈیا میں کچھ شیروں کو بعض نامساعد حالات کی وجہ سے چڑیا گھروں سے نکال کر جنگل میں چھوڑ دیا گیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ان شیروں کو دیگر جنگلی جانور کھا گئے ہیں کیونکہ حالتِ قید میں بغیر محنت ومشقت وافر کھانا ملنے کی وجہ سے وہ شکار کرنا بھول گئے تھے۔ان کی بہادری اور شکار کرنے کی صلاحیت معدوم ہوگئی۔جس کی وجہ سے وہ خود اپنے سے کمزور جانوروں کا شکار بن کر لقمہ اجل بن گئے۔

کالا باغ

1982ء میں خاکسار کالا باغ جایا کرتا تھا۔ان دنوں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا میڈیا پر بڑا چرچا تھا۔مختلف ٹیمیں اپنے اپنے مفوّضہ کام سرانجام دے رہی تھیں۔ایک احمدی انجینئر بھی کالا باغ میں ڈیم سے متعلقہ کسی ٹیم کے ممبر تھے۔کبھی کبھار خاکسار انہیں ملنے جایا کرتا تھا۔1983ء میں میں بیرونِ ملک چلا گیا۔لیکن سننے میں یہی آتا ہے کہ ابھی تک کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا پروگرام زیرِ غور ہے۔

انسان جانور کے خادم

ربوہ کے ایک نوجوان وٹرنری ڈاکٹر صاحب ایک دفعہ میرے پاس میانوالی تشریف لائے۔انہوں نے بتایا کہ وہ امیر محمد خان نواب آف کالا باغ کے فرزندان کے ملازم ہیں۔داؤدخیل سے راولپنڈی روٹ پر کئی کلومیٹر پہاڑی وادی ان کی ملکیت ہے جہاں ان کے جانوروں کی طبی دیکھ بھال کرتا ہوں۔پہاڑیوں کے درمیان جانوروں کا مختصر سا اسپتال ہے۔جہاں وہ چند دیگر کارکنان کے ساتھ ایک کوارٹر میں رہتے ہیں۔انہوں نے مجھے وہاں آنے کی دعوت دی۔

ایک روز میں قریبی سٹیشن پر اترا اور پھر کافی دور چل کر ان کے ہاں پہنچ گیا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ یہاں میل ہا میل تک کوئی انسانی آبادی نہیں ہے۔صرف جانور ہیں جن کی دیکھ بھال پر یہ لوگ مامور ہیں۔بسا اوقات تو ایک گدھے،بھیڑ،بکری کی تیمارداری کے لئے دوردراز پیدل جاکر انہیں طبّی سہولت فراہم کرنی پڑتی ہے۔ایک بات بڑی

دلچسپ یہ تھی کہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں آبی ذخائر نہ ہونے کے برابر تھے۔جس کی وجہ سے یہاں کے جانور کافی عرصہ پانی کے بغیر بھی گزارہ کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا نظام ودیعت کیا ہوا ہے کہ وہ سبز گھاس وغیرہ میں جو پانی کی مقدار ہوتی ہے۔اسی پر ہی اکتفا کر سکتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب بڑے ہی مہربان دوست تھے۔

بزرگ سب کے سانجھے ہوتے ہیں

جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا وصال ہوا۔اس زمانہ میں ٹیلیفون کی سہولت عام نہ تھی۔ایک دوست جوائر فورس میں تھے انہیں کسی طرح یہ افسوس ناک خبر ملی اورانہوں مجھے آکر بتایا کہ حضور کا اسلام آباد میں انتقال ہوگیا ہے۔میں نے سوچا پہلے اس کی تصدیق کر لینی چاہیے۔کہیں یہ کسی دشمن نے نہ اڑائی ہو۔رات کا وقت تھا۔اسی وقت ٹیلیفون ایکسچینج گیا۔اسلام آباد مشن ہاؤس میں فون کیا۔وہاں پر مکرم عبدالرشید یحیٰ صاحب مربی سلسلہ اسلام آباد سے بات ہوئی۔انہوں نے اس اندوہناک سانحہ کی تصدیق کر دی۔میں نے آپریٹر صاحب سے بل کے لئے درخواست کی۔تو اس شخص نے عجیب جواب دیا۔کہنے لگا، جی کوئی بل نہیں۔بزرگ سب کے سانجھے ہوتے ہیں۔یہ واقعہ بھی اس دور کی عکاسی کرتا ہے۔جب شرافت زندہ تھی۔

اطمینانِ قلب کی تلاش میں

میانوالی ضلع میں ایک قصبہ جس کا نام اب مجھے یاد نہیں ہے۔وہاں پر ایک احمدی ڈاکٹر صاحب سرکاری اسپتال میں متعین تھے۔ان کے پاس مقامی آبادی میں سے ایک

مریضہ آیا کرتی تھی۔جنہیں ڈاکٹر صاحب نے بڑی حکمت سے دعوتِ حق دینی شروع کردی۔اس نیک دل خاتون کو ڈاکٹر صاحب کی باتیں اچھی لگنی شروع ہوگئیں۔آہستہ آہستہ وہ دینِ حق کی طرف مائل ہوگئیں اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے بیعت کر لی۔اس خاتون کے علاقہ میں دور دور تک کوئی احمدی نہ تھا۔اس کے میاں اس علاقہ کے ایک معروف زمیندار تھے۔

ایک دفعہ مکرم مومن صاحب جو ایئر فورس میں ایک مخلص آفیسر تھے۔ایک سرکاری جیپ لے کر آئے۔ہم پانچ چھ خدّام ان کے ڈیرے پر پہنچے۔انہوں نے ہمیں بڑے پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا۔بعدازاں میں جلد افریقہ آ گیا۔اس کے بعد کے حالات سے خبر نہیں۔

کالا باغ ڈیم

1982ء میں خاکسار کالا باغ جایا کرتا تھا۔ان دنوں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا میڈیا پر بڑا چرچا تھا۔مختلف ٹیمیں اپنے اپنے مفوضہ کام سرانجام دے رہی تھیں۔ایک احمدی انجینئر بھی کالا باغ میں ڈیم سے متعلقہ کسی ٹیم کے ممبر تھے۔کبھی کبھار خاکسار انہیں ملنے جایا کرتا تھا۔1983ء میں میں بیرون ملک چلا گیا۔لیکن سننے میں یہی آتا ہے کہ ابھی تک کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا پروگرام زیرغور ہے۔

ایک سبق آموز حکایت

جہاں پھول وہاں کانٹا

کہتے ہیں ایک بڑھیا کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جسے وہ دوسری ماؤں کی طرح اپنے بیٹے سے بہت زیادہ پیار کرتی تھی۔ اتفاق سے بچہ بیمار ہوا اور کچھ عرصہ کی علالت کے بعد ماں کو داغِ ہجرت دے کرابدی نیند سو گیا۔ اس دلخراش حادثہ نے ماں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کی دنیا لُٹ گئی۔ وہ حواس باختہ ہو کر اپنے مرحوم بیٹے کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوگئی۔ ہر کسی کے پاس مدد کی درخواست کرتی کہ کسی طرح اس کا کھویا ہوا بیٹا اسے واپس مل جائے۔ کسی نے اسے بتایا کہ فلاں مقام پر ایک بزرگ اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ ممکن ہے وہ تمہاری مدد کرسکیں۔ بڑھیا ان کے درِدولت پر پہنچی، اپنی آہ وفغاں اور درد بھری بِپتا سنائی اور دادرسی کی درخواست کی۔

بزرگ نے بڑی ہمدردی کے ساتھ اس دل شکستہ بڑھیا کی داستان سنی، اس سے اظہارِ ہمدردی کیا اور دلجوئی کی خاطر اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا اور بڑھیا سے کہا تم کسی ایسے گھر سے چند گھونٹ پانی لے آؤ جن کے گھر میں کوئی فوت نہ ہوا ہو تو میں اس کے ذریعہ تمہاری مدد کرسکتا ہوں اس پر وہ بڑھیا خوشی خوشی ایک قریبی گھر میں گئی اور پوچھا کیا آپ کے گھر میں کوئی فوت ہوا ہے۔ انہوں نے بڑے دکھ سے اپنے کئی پیاروں کی جدائی کا قصہ سنا ڈالا۔ اس کے بعد بڑھیا اگلے گھر پہنچی اس نے اپنا سوال دوہرایا اسے وہاں سے بھی وہی جواب ملا اس طرح بڑھیا بہت سے گھروں میں پہنچی ہر جگہ سے اسے سوائے مایوسی اور

ناامیدی ہوئی۔اس پر اسے احساس ہوا اور سمجھ گئی کہ موت وحیات کا سلسلہ اٹل ہے اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔اس کا واحد علاج صبر ہے۔اسی طرح ہر آدمی کی زندگی میں مختلف قسم کے امتحان اور مشکلات ہوتی ہیں،لیکن ہر ایک کی کیفیت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے۔

ایک دن ہم چند دوست میانوالی میں ایک بہت بڑے سرکاری آفیسر کے گھر کسی کام کی غرض سے گئے۔ان کا عالیشان بنگلہ،نوکر چاکر اور دُنیاوی جاہ وجلال واقعی متأثر کن اوران کی خوش وخرم زندگی کی غمّازی کرر ہے تھے۔ملاقات کے بعد جب ہم لوگ گھر سے باہر نکل رہے تھے ہمیں ایک جانب سے عجیب وغریب چیخ و پکار کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ہم نے ایک ملازم سے پوچھا یہ کیسی آوازیں ہیں۔اس پر اس نے بتایا صاحب خانہ کا ایک نوجوان بیٹا مخبوط الحواس ہے۔جسے ایک پنجرہ نما کمرے میں بند کر رکھا ہے۔کیونکہ وہ مار پیٹ بھی کرتا ہے۔ہمیں یہ نظارہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔بظاہر دیکھنے میں موصوف کی زندگی بڑی ٹھاٹھ باٹھ کی تھی۔دیکھنے والے اسے بڑا ہی خوش وخرم زندگی بسر کرنے والوں میں گردانتے ہونگے لیکن حقیقت میں اس کی بےبسی، بےکسی اور قلبی دکھ کا کون ادراک کرسکتا ہے۔

ایک نوجوان کا وقارعمل

میانوالی میں مسجد زیر تعمیر تھی۔ایک روز مسجد میں وقارعمل کے لئے اعلان کیا گیا۔مقررہ دن پر کافی احباب تشریف لائے۔ان میں اکثر سرکاری ملازمین تھے۔ان میں سے ایک خاصی تعداد سرکاری افسران کی تھی۔

اگلے روز ایک نوجوان جو کہ ایئرفورس میں فلائیٹ لیفٹیننٹ تھے۔اور میانوالی

بیس میں متعین تھے۔خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے،کل کسی مصروفیت کی بنا پر میں نہیں آسکا اس لئے معذرت خواہ ہوں۔آج میں فارغ ہوں اس لئے اب حاضر ہو گیا ہوں مجھے کوئی کام بتائیں کہ میں کیا کام کرسکتا ہوں۔انہیں بتایا کہ ہم نے تو رستہ سے اینٹیں اٹھائیں تھیں۔اس پر وہ کافی دیر تک اینٹیں گلی سے اٹھاتے رہے جن کی وجہ سے رستہ بلاک تھا۔آج تک میرے دل ودماغ میں اس نوجوان آفیسر کیلئے جماعت کے ساتھ اخلاص ومحبت اور اطاعت کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔

برکت سے کبھی بھی کسی نے بدتمیزی نہیں کی، بلکہ ہمیشہ ہی احترام کیا۔یہی طریق میں نے میانوالی میں بھی اختیار کیا۔

ایک شہرہ آفاق شہر۔آکسفورڈ انگلستان

ایک دفعہ سینیگال میں خاکسار کے پاس ایک احمدی ممبر آف پارلیمنٹ اپنے ایک عزیز مسٹر کابا کے ہمراہ تشریف لائے۔تعارف پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب ڈاکار یونیورسٹی میں فزکس پڑھاتے ہیں نیز فرانس میں بھی کسی یونیورسٹی میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے ہیں۔میں نے فزکس کے حوالے سے انہیں پوچھا۔کیا آپ نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں جانتے ہیں۔مکرم کابا صاحب بے اختیار بول اٹھے، کہ اس صدی میں جو آدمی ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں نہیں جانتا۔میرے نزدیک وہ تو انسان کہلانے کا بھی حقدار نہیں ہے۔

ایسی ہی کچھ اہمیت آکسفورڈ کی ہے۔دنیا کا ہر ذی شعور انسان اس شہر کے نام سے تو کم از کم آشنا ہے۔اس طرح جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے۔آکسفورڈ شہر کی

عظمت واہمیت کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سن رکھا ہے۔لیکن حدیث نبوی ﷺ کے مطابق لیس الخبر کالمعاینۃ کی حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے۔

پروگرام

اسی جذبہ کے تحت جامعہ احمدیہ کے اساتذہ کرام نے بھی ایک تفریحی ومطالعاتی پروگرام ترتیب دیا۔جس میں نو اساتذہ کرام شریک سفر تھے۔مکرم حمیداللہ صاحب نے ڈرائیونگ کی خدمات سرانجام دیں۔فجزاہ اللہ

آغاز سفر

صبح ساڑھے نو بجے دُعا کے بعد جامعہ احمدیہ کے نو اساتذکرام کا ایک گروپ جامعہ احمدیہ کی وین میں جس کومکرم حمیداللہ صاحب ڈرائیو کررہے تھے۔آکسفورڈ کو روانہ ہوا۔

آکسفورڈ میں آمد

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کا سفر طے کرکے آکسفورڈ میں جماعت کے مرکز میں پہنچے۔ جہاں پر مکرم مبارک احمد بسرا صاحب مربی سلسلہ اور مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب صدر جماعت نے بڑے پرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا۔

مشن ہاؤس

آکسفورڈ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کی ایک خوبصورت مسجد

ہے۔جس میں نمازیوں کے لیے ایک مردانہ اور ایک زنانہ حال ہے۔اور اس میں مکرم مربی صاحب کا آفس اور رہائش گاہ بھی ہے۔

آکسفورڈ کی تاریخ

آکسفورڈ دریائے آکس کے کنارے، انگلستان کا ایک شہر ہے۔اس کے معنی (دریائے آکس کا گھاٹ) کے ہیں۔اس جگہ انگلستان کا مشہور اور قدیم دارالعلوم واقع ہے۔اس کی بنیاد قدیم زمانے میں رکھی گئی تھی۔لیکن منظم تدریس کا آغاز 1133ء سے ہوا جب پیرس کے رابرٹ پولین نے یہاں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔اس نے یونیورسٹی کی صورت 1163ء میں اختیار کی۔اس میں 28 کالج ہیں جن کی اقامت گاہیں بھی ہیں۔لیکن تدریس تمام کالجوں کے مشترکہ لیکچروں کی صورت میں ہوتی ہے۔اور کالجوں کے ٹیوٹر اپنی اپنی اقامت گاہوں پر بھی تعلیمی رہنمائی کرتے ہیں۔آکسفورڈ یونیورسٹی کی شہرہ آفاق بوڈلین لائبریری دنیا بھر کی سب سے بڑی لائبریری ہے۔اس کی مزید توسیع 1946ء میں جدید بوڈلین لائبریری کی شکل میں ہوئی۔

ماضی کی امتیازی پالیسی

آکسفورڈ یونیورسٹی اور کیمبرج کے دروازے 1854ء تک ان لوگوں کے لیے بند تھے جو پراٹسٹنٹ مذہب یعنی چرچ آف انگلینڈ کے 39 اصولوں پر ایمان نہ لاتے ہوں۔ 1871ء تک ان دونوں یونیورسٹیوں میں کسی ایسے شخص کو کسی قسم کا امتیاز، یا وظیفہ تعلیم بھی نہیں مل سکتا تھا۔

شہر کی موجودہ آبادی

کہتے ہیں۔آجکل شہر کی کل آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے۔اور اس میں سے چالیس ہزار طالب علم ہیں۔

ساؤتھ پارک

ہماری پہلی منزل ساؤتھ پارک تھی۔گائیڈ مکرم بسرا صاحب ہمیں ایک پارک میں لے گئے۔سڑک کے کنارے پر گاڑی پارک کی۔پھر وہاں سے پیدل، پارک کی ایک جانب پہنچے۔سامنے حد نگاہ تک وسیع و عریض میدان ہی نظر آتا تھا۔احباب سامنے کو چل پڑے۔اور پھر چلتے ہی گئے۔یہاں پر وفد میں پہلی بار تفریق پیدا ہوئی۔اور ہم لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔نوجوان گروپ آگے چلا گیا اور بزرگ گروپ نے اپنے تجربہ کی روشنی میں سوچ سوچ کر قدم اٹھانے شروع کر دیے۔کیونکہ منزل کا کوئی علم نہ تھا۔

آگے مسلسل چڑھائی تھی۔فضا میں خنکی بھی تھی۔بزرگوں کے دل ودماغ میں مسلسل جنگ ہو رہی تھی۔کہ آگے جائیں کہ نہ جائیں۔

تقریباً وسط میں جا کر احباب کھڑے ہو گئے۔تو پھر پیچھے رہنے والے احباب نے بھی ایک جذبہ کے تحت ایک نئے جوش اور ولولہ سے قدم اٹھائے اور پھر جلد ہی یاران سست گام نے محمل کو آلیا۔پارک کا یہ حصہ قدرے اونچی جگہ ہے۔جہاں سے آپ پورے آکسفورڈ کے اہم مقامات کا بھرپور نظارہ کر سکتے ہیں۔

لائبریریاں اور کتب خانے

شہر بھر میں بے شمار لائبریریاں ہیں۔ ہر کالج کی الگ الگ لائبریری ہے۔ بعض لائبریریاں صرف ان کے اپنے طلبہ اور سٹاف کے لیے مخصوص ہیں اور بعض صدائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لیے۔ ممکن ہے دنیا میں سب سے زیادہ کتب بھی اسی شہر میں ہوں۔

معروف بک شاپ

شہر میں بے شمار کتب خانے ہیں ۔ان میں سے ایک معروف بک شاپ BLACKWELL دیکھنے گئے۔ جس میں بلا مبالغہ دنیا کے ہر موضوع پر لاکھوں کتب ہوں گی۔ جو اس دور کی جدید ترین سہولتوں سے آراستہ و پیراستہ تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ

BADBLEIL کالج بھی اس شہر کے اہم تعلیمی مراکز میں سے ایک ہے جو شہر کے وسط میں واقع ہے۔ اس کالج کے ساتھ سب احمدیوں کا ایک خاص رشتہ ہے۔ اور اس کو دیکھنے ضرور جاتے ہیں کیونکہ ہمارے تیسرے خلیفہ حضرت میرزا ناصر احمد صاحبؒ نے یہاں بھی اعلیٰ تعلیم کی کچھ منازل طے کیں۔

قتل مرتد

اس کالج کے مین گیٹ کی بائیں جانب کی دیوار میں ایک کندہ سلیٹ ہے۔ جس پر اس شہر میں جنم لینے والی ایک دردناک کہانی مختصر الفاظ میں رقم ہے۔ اس دیوار میں کندہ

پلیٹ کے عین سامنے، سڑک کے درمیان ایک جگہ اس دلخراش واقعہ کی نشان دہی کے لئے جگہ چھوڑ رکھی ہے۔ جہاں پر 1955ء میں چار بہت اہم پروٹسٹنٹ شخصیات کو ارتداد کے جرم میں زندہ جلادیا گیا تھا۔ ان دردناک اور دلخراش واقعات کو 'بک آف مارٹرز' میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

سائیکل بستی

شہر میں سیر کے دوران ایک چیز خصوصی توجہ کا مرکز ومحور بنی۔ وہ تھے، رنگ برنگے ان گنت سائیکل۔ چونکہ یہ ایک طالب علموں کا شہر ہے۔ اس لئے فراٹے بھرتی کاریں بہت کم نظر آئیں۔ اس شہر میں اس کثرت سے سائیکلوں کو دیکھ کر ربوہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ جہاں ہر چھوٹا بڑا سائیکل لئے آجا رہا ہوتا ہے۔، جہاں ہر کوئی اپنے اپنے سائیکل پر سُوئے منزل رواں دواں ہے۔

تعلیمی ادارے

کہتے ہیں اس شہر میں بنیادی طور پر دو یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک کا نام آکسفورڈ یونیورسٹی ہے۔ اور دوسری بروکرز ہے۔ ان یونیورسٹیوں کے زیر سایہ بہت سے کالج ہیں۔ ان درس گاہوں میں چالیس ہزار کے قریب طلبہ کسب فیض کر رہے ہیں۔

نوجوانوں کا شہر

جیسا کہ پہلے عرض کی گئی ہے کہ اس شہر میں ڈیڑھ لاکھ کی آبادی میں سے چالیس ہزار کے قریب طالب علم ہیں۔ اس لئے غالب امکان ہے کہ نوجوانوں کی شرح دوسرے

شہروں کی نسبت سے اس شہر میں سب سے زیادہ ہے۔

بنگلہ مسجد

آکسفورڈ کی ہائی اسٹریٹ پر ایک عمارت ہے۔جس میں ایک کمرہ کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔وہاں پر بلا تمیز مذہب و مسلک کوئی بھی مسلمان بھائی اپنے طریق پر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ہم لوگوں نے بھی نماز ظہر و عصر اسی مسجد میں ادا کیں۔اس دوران اور کئی لوگ انفرادی طور پر اور کچھ لوگ باجماعت نماز ادا کر رہے تھے۔

جناب مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی وفات

دنیائے احمدیت کے عالمی شہرہ یافتہ سپوت مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بھی زندگی کے آخری ایّام اسی شہر میں گزارے اور ادھر ہی ان کا وصال ہوا۔

میوزیم (داستان عالم)

ہمارے اس تفریحی سفر کی آخری منزل آکسفورڈ کا نیچرل سائنس میوزیم تھا۔مکرم بسرا صاحب کی قیادت میں ادھر پہنچے۔بڑا تاریخی،قیمتی اور قابل قدر خزانہ محفوظ ہے۔اس کے مشاہدہ کے لئے تو عمرِ خضر ہونی چاہیے۔شام ہو چکی تھی اور اندھیروں کے دامن وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔

تھوڑے سے میسر وقت میں جو ممکن ہوا،اپنے اجداد اور ان کی ہم عصر مخلوق کا انجام دیکھ کر جلدی سے ایک سرسری سی نظر دوڑائی اور باقی عندالتلاقی کہہ کر کے واپس آ گئے۔

کالا سفید

کہتے ہیں۔نومولود بچے کو دو ہفتوں کے لیے ہر چیز بلیک اینڈ وائٹ ہی نظر آتی ہے۔اس کے بعد اس میں مختلف رنگوں میں امتیاز کرنے کی اہلیت اور استعداد پیدا ہوتی ہے جس سے وہ اشیاء کو ان کے اصل رنگ وروپ میں مشاھدہ کر کے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔یہی کیفیت ہماری تھی ۔آکسفورڈ میں اپنی کم عمری کے باعث ابھی بلیک اینڈ وائٹ میں ہی تھے۔اور خدا تعالیٰ کے تخلیق کردہ باقی ماندہ خوبصورت رنگوں کو دیکھنے کے قابل نہ ہوئے تھے کہ واپسی کا بگل بجا دیا گیا۔

واپسی کا سفر

میوزیم کے بعد مسجد میں واپس آئے۔نماز مغرب وعشاء مکرم حافظ طیب احمد صاحب کی اقتداء میں ادا کیں۔جس میں انہوں بڑی خوش الحانی سے تلاوت فرمائی۔ فجزاھم اللہ۔

مکرم مربی بسرا صاحب کی دعا کے بعد لندن کو عازم سفر ہوئے ،راستہ میں مکرم نسیم باجوہ صاحب نے بڑی پرسوز آواز میں درثمین سے ایک نظم سنائی۔پھر احباب کی پر لطف باتوں خوبصورت چٹکلوں اور دلچسپ واقعات نے ایسا کرشمہ دکھایا کہ سفر کے گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔بفضل تعالیٰ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہم بخیریت جامعہ میں پہنچ گئے۔الحمدللہ

شکر وامتنان

من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ کے ارشاد ربانی کے مطابق ہم سب

افراد قافلہ اپنے میز بانوں مکرم بسرا صاحب مربیّ سلسلہ اور مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب صدر جماعت آکسفورڈ کے بھرپور تعاون، راہنمائی اور شاندار مہمان نوازی کے لئے تہہ دل سے ممنون ہیں اور ان کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ باری تعالیٰ انہیں اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

کچھ عرصہ قبل انگلستان کے معروف اور تاریخی شہر مانچسٹر جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم لوگ یوسٹن سٹیشن لندن سے مانچسٹر کے لئے دو بجکر چالیس منٹ پر روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ انگلستان میں تو گاڑی بھی کسی کا انتظار نہیں کرتی۔ ہماری ٹرین حسب پروگرام عین وقت پر یوسٹن سٹیشن لندن سے روانہ ہوئی اور عین مقررہ وقت پر منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ یہ سفر خاصا دلچسپ اور معلوماتی تھا۔ ٹرین میں آرام دہ نشستیں تھیں۔ اتفاق سے میری نشست کے سامنے میز کی بھی سہولت تھی جس سے ہم نے کما حقہ فائدہ حاصل کیا۔

ایک دفعہ ہمارے ایک دوست بذریعہ ٹرین سفر کر رہے تھے۔ رستہ میں کسی دوست کے ساتھ فون پر بات چیت میں مصروف ہو گئے۔ اور حسب عادت بآواز بلند بولنا شروع کر دیا۔ ساتھی مسافروں نے انہیں بڑے آرام سے سمجھا دیا کہ آپ کے فون کی وجہ سے ہم ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ٹرین کے ڈبے میں کیسا سکون ہوگا۔ ٹرین میں ایک مختصر سی دوکان بھی تھی۔ جس میں کھانے پینے کے علاوہ دیگر بنیادی اشیاء خریدنے کی سہولت بھی موجود تھی۔

نعمت ہے یا زحمت

مسافر بڑے ہی آرام وسکون سے بغیر کسی دھکم پیل کے اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئے۔اکثر احباب نے جلد ہی اپنے لیپ ٹاپس یا ٹیلی فونز آن کر لئے۔اس دور کی ایجادات نے تو انسان سے انسان کا رشتہ ہی ختم کر دیا ہے۔ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر بھی کسی دور کی دنیا میں جا بستے ہیں۔بسا اوقات کئی لوگ ایک ہی کمرے میں بیٹھے ہوتے ہیں۔لیکن ہر کوئی اپنے اپنے فون پر کہیں اور ہی مصروف عمل ہوتا ہے۔یہ ایک ایسی مہلک بیماری ہے۔جس نے پیار اور محبت کے انسانی رشتوں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔کہتے ہیں اس ٹیلی فون کی وجہ سے دنیا میں ہر سال ہلاکتوں کی تعداد کئی ملین تک پہنچ چکی ہے۔ایک دور تھا جب ہمارے ماحول میں بڑی عمر کے لوگ ہی ضعف بصارت کی وجہ نظر والی عینک لگایا کرتے تھے۔لیکن اب اس سوشل میڈیا کی مہربانی سے نظر والی عینک بوڑھوں بزرگوں کے علاوہ بچوں اور نوجوانوں میں بھی عام ہوتی جا رہی ہے۔

مجھے یاد آ گیا ہے۔چند یوم قبل میں نے ایک وڈیو کلپ دیکھی۔جس میں ایک نوجوان خاتون اپنے بچے کو گود میں اٹھائے فیڈر کے ذریعہ دودھ پلانے کی کوشش کر رہی ہے۔اس کے ساتھ ہی ایک بلی بھی بیٹھی ہوئی ہے۔خاتون اپنے موبائل میں اس قدر محو ہے کہ فیڈر سے بچے کی بجائے بلی دودھ کے مزے لے رہی ہے۔

لندن سے مانچسٹر 208 میل کے فاصلہ پر ہے۔بذریعہ کار سفر کیا جائے تو پانچ گھنٹے کے قریب وقت لگ جاتا ہے۔اگر بذریعہ بس جائیں تو ٹریفک پر منحصر ہے۔چار سے سات گھنٹے تک بھی صرف ہو جاتے ہیں جبکہ ٹرین پر صرف دو گھنٹے اور دس منٹ لگتے ہیں۔

گورنمنٹ برطانیہ کی انسان پروری

برطانیہ گورنمنٹ اپنے شہریوں کی اعانت اور فلاح بہبود کے لئے بہت ساری سہولیات فراہم کرتی ہے۔خاص طور پر بوڑھوں، بچوں اور کمزوروں کے اندرون ملک سفر لئے خصوصی مراعاتی پیکجز ہوتے ہیں۔

ساٹھ سال سے بڑی عمر کے شہری اندورن لندن بذریعہ بس،ٹرین اور ٹرام مفت سفر کرتے ہیں۔جبکہ ایسے افراد کو اندرون ملک بھی رعایتی ٹکٹ کی سہولت میسر ہے۔اگر کوئی شہری زیادہ بیمار ہے۔اس کے رعایتی ٹکٹ کے علاوہ اس کی دیکھ بھال کرنے والے کو بھی رعایتی ٹکٹ کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔اس سفر مانچسٹر میں مجھے بھی بیماری اور بڑی عمر کی وجہ سے اس سہولت سے مستفید ہونے کا موقعہ مل گیا۔ یہ انگلستان کا تیسرا بڑا شہر ہے۔جو لندن سے دوسو آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

تعارف مانچسٹر شہر

سن 2013ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی پچیس لاکھ سے زائد ہے۔ جن میں پاکستانی افراد کی تعداد پینتالیس ہزار کے قریب ہے جو کہ 2011ء میں بیالیس ہزار نوسو تھی۔

1979ء سے پہلے یہ ایک جاگیردارانہ بستی رہا ہے۔کسی زمانہ میں مانچسٹر ریلوے اسٹیشن دنیا کا پہلا ریلوے اسٹیشن تھا۔ایک دور میں دنیا بھر میں معروف صنعتی شہر ہونے کا اعزاز رکھتا تھا۔1853ء میں اسے شہر کا درجہ دیا گیا۔

1894ء میں یہاں کی معروف مانچسٹر شپ نہر کا افتتاح ہوا۔جس سے یہاں بندرگاہ بنی۔جسے ایک تاریخی اور اہم مقام حاصل ہے۔سیاحت کے اعتبار سے لندن ،ایڈنبرا کے بعد اسی شہر کا نام آتا ہے۔علمی میدان میں بھی اس کا بڑا مقام ہے۔اس میں دو معروف یونیورسٹیاں ہیں یہ ملک کی تیسری بڑی معیشت ہے۔

یہاں سائنس دانوں نے پہلی بار ایٹم کو تقسیم کیا اور پہلا سٹورڈ پروگرام کمپیوٹر بنایا۔مانچسٹر کے مضافات میں لیور پول، نارتھ ویلز، لنکائشر ،بلیک پول اور برن پول وغیرہ قابل دید شہر ہیں۔

عزیزم محمد احمد خورشید کا گھر جو ھُیوم (Hulme) کے علاقہ میں ہے۔ان کے گھر سے چندمنٹ کی پیدل مسافت پر سٹریفورڈ پر ھُیوم پبلک لائبریری ہے۔جس کے عین سامنے بس سٹاپ ہے۔

ودنشاو اسپتال Wythenshawe hospital

میں چونکہ ڈیالیسز کا مریض ہوں۔مجھے اپنی بیماری کی نسبت سے ہر دوسرے روز ڈیالیسز کے لئے اسپتال جانا پڑتا ہے اور ہر بار اس سیشن پر پانچ سے چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔کسی بھی دوسرے اسپتال میں اگر یہ ڈیالیسز کرانے ہوں تو مریض کو کم ازکم ایک ماہ قبل دوسرے شہر والے سنٹر یا متعلقہ اسپتال سے رابطہ کرنا پڑتا ہے جس پر دونوں اسپتالوں کے مابین بہت سی رپورٹس کا تبادلہ ہوتا ہے اس کے بعد مریض کو دوسرے ادراہ میں ڈیالیسز کی اجازت ملتی ہے۔اس ساری کارروائی کے بعد مجھے مذکورہ بالا اسپتال میں ڈیالیسز کی اجازت ملی تھی۔

یہ اسپتال مانچسٹر ایئر پورٹ کے مضافات میں ہے جو میری قیام گاہ سے تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیو پر واقع ہے۔

پہلی بار اسپتال جانا تھا۔ ماحول سے ناآشنائی تھی۔ ڈیالیسز اڑھائی بجے شروع ہونے تھے۔ خاکسار عزیزم محمد احمد کے ساتھ بروقت پہنچ گیا۔ اپنی باری آنے پر ڈیالیسز شروع کیا۔ سٹاف کی خوش خلقی اور برتاؤ سے بہت متأثر ہوا۔ ان کا طریق کار اور برتاؤ لندن میں ڈیالسز سٹاف سے بدرجہا بہتر تھا۔

دن کیسے گزارا جائے

میری قیام گاہ کے قریب ہی ایک لائبریری تھی۔ سوچا وہاں جا کر کتب بینی کرتا ہوں۔ لائبریری چلا گیا۔ کچھ وقت کے لئے مختلف کتابوں کی ورق گردانی کی اور پھر وہاں سے باہر سڑک پر نکل آیا۔ لائبریری کے دروازے کے قریب ہی بس سٹاپ تھا۔ نہ معلوم کہاں جا رہی تھی۔ سوچا چلو بیٹھ جاتے ہیں۔ کیونکہ میرے پاس فریڈم پاس ہے۔ اس لئے جہاں بھی لے جائے گی وہاں سے واپسی مشکل نہیں ہوگی۔

خیر! اللہ کا نام لے کر بس میں سوار ہو گیا گورنمنٹ برطانیہ کی انسان پروری ہے کہ ساٹھ سال کی عمر میں فریڈم پاس کا تحفہ دے دیتی ہے جس کے ذریعہ آپ بہت سے شہروں میں بغیر کسی کرایہ کے سفر کر سکتے ہیں۔ میں نے اپنا فریڈم پاس بس ڈرائیور کی خدمت میں پیش کیا جس نے حسب قواعد مجھے بلا معاوضہ ہی اپنی بس پر سوار ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ سوچا یہ بس جہاں تک جائے گی میں وہاں سے اسی بس پر واپس آجاؤں گا۔ اس طرح ایک معلوماتی سفر کا آغاز ہو گیا۔

یہ دومنزلہ بس تھی۔ میں بس کی دوسری منزل پر جا کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ اونچائی سے شہر کا نظارہ قدرے بہتر ہوسکتا تھا۔ بس اپنے روٹ پر خراماں خراماں دوڑتی رہی۔ راستہ میں بہت سی بلند و بالا عمارات دیکھنے میں آئیں۔

ابھی دس منٹ گزرے ہونگے کہ سڑک کی بائیں جانب مانچسٹر کا معروف زمانہ یونائٹڈ فٹ بال سٹیڈیم نظر آیا۔ اگر چہ میں خود تو فٹ بال کا اتنا شوقین نہیں ہوں لیکن بہر حال فٹبال کے دیوانوں کے لئے چند بنیادی معلومات سپرد قلم کئے دیتا ہوں۔

یونائیٹڈ مانچسٹر فٹبال سٹیڈیم

اس کلب کا آغاز 1878ء میں Newton Heath LYR Football Club کے نام سے ہوا۔ 1902ء میں اس کو مانچسٹر یونائیٹڈ کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں 75000 افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

ٹریفورڈ سنٹر TRAFFORD CENTRE

تقریباً بیس منٹ کے دلچسپ اور معلوماتی سفر کے بعد بس ایک بڑے سے وسیع وعریض احاطہ میں داخل ہوئی۔ دریافت کرنے پر علم ہوا کہ یہ مانچسٹر کا بہت ہی معروف شاپنگ مول ہے جو Trafford centre کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ میری بس کا آخری سٹاپ تھا۔ بس رکی تو سب سواریاں اتر گئیں۔ میں بھی ان کی اقتدا میں بس سے نیچے اترا اور جس جانب اکثر لوگ جا رہے تھے میں بھی چل پڑا۔ ابھی چند ہی منٹ چلا ہونگا کہ ایک بہت ہی چکا چوند بازار میں داخل ہو گیا۔ یہ بہت ہی خوبصورت، دیدہ زیب اور عالیشان

عمارت ہے جس میں دوطرفہ دوکانیں ہیں۔ یہ دومنزلہ بازار ہے۔اوپر نیچے جانے کے لئے مختلف مقامات پر سیڑھیوں اور لفٹ کی سہولیات موجود ہیں۔عمارت کے درو دیوار پر مصورین کے دلآویز شہ پارے مداحوں کی نظر شوق کے طالب ہیں۔ساری عمارت شیشہ سے مسقّف ہے۔اس مارکیٹ میں دائیں بائیں انسانی کاریگری اور صنعت کے بے نظیر نمونے دیکھ کے آپ حیران ہوتے ہیں۔لیکن جب نگاہیں بلند کرتے ہیں تو آپ کو بلند و بالا اور لامحدود و بے کنار خوبصورت نیلگوں آسمان کی زیارت ہوتی ہے جس سے احساس ہوتا ہے کہ انسانی تخلیق کتنی محدود ہے۔لیکن حقیقت یہی ہے۔

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہر گز

أذا مرضت فهو يشفين

انسان اور بیماری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔اگر ہم اپنے ماحول میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے۔دنیا کا ہر انسان کسی نہ کسی ظاہری یا باطنی بیماری میں مبتلا ہے۔کئی لوگ تو دیکھنے میں بھی بیمار نظر آتے ہیں لیکن بعض لوگ بظاہر سرخ وسفید اور موٹے تازے نظر آتے ہیں۔لیکن اندرون خانہ وہ بہت سی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔درحقیقت اکثر لوگ بیمار ہوتے ہیں لیکن انکی بیماری کی شکل اور کیفیت جدا جدا ہوتی ہے۔

یہ سال 2001ء کی بات ہے۔پہلی بار مجھے دل کی تکلیف ہوئی۔ان دنوں میں ،میں سینیگال میں تھا۔اس کے بعد 2004ء میں حضور انور نے ازراہ شفقت مجھے پاکستان جا کر مکرم ڈاکٹر نوری صاحب سے علاج کرانے کا ارشاد فرمایا۔مکرم ڈاکٹر صاحب اس دور میں فضل عمر اسپتال ربوہ کے علاوہ راولپنڈی میں بھی طبی خدمات سرانجام بجالا رہے تھے۔

مکرم ڈاکٹر صاحب نے راولپنڈی حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا۔ وہاں اینجوگرام

کیا گیا۔جس میں مجھے بتایا گیا کہ میری بیماری اس قدر خطرناک صورت حال اختیار کر چکی ہے کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔اس کی پیچیدگی کی وجہ سے ہم اینجو پلاسٹی بھی نہیں کر سکتے۔اب آپ دوائیاں لیتے رہیں۔ڈاکٹر صاحب نے حضور انور کی خدمت میں بھی اطلاع کر دی۔جس کے بعد میں واپس لندن آ گیا۔

حضور انور نے میری صحت کے پیش نظر میری تقرری انگلستان میں کر دی۔لیکن ویزہ کے حصول کی خاطر واپس سینیگال چلا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد پھر لندن میں دل کی تکلیف ہوئی، اسپتال لے جایا گیا۔پھر ڈاکٹر صاحبان نے مکرم نوری صاحب کی طرح بیماری کی پیچیدگی کی وجہ سے کسی قسم کی سرجری سے اجتناب کیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سینیگال کی روانگی کا پروگرام تھا۔حضور انور کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔حضور انور نے فرمایا۔کیا پروگرام ہے میں نے عرض کی، حضور سینیگال جا رہا ہوں۔فرمایا۔کچھ اور رک جائیں۔میں نے عرض کی حضور کافی دیر سے مشن خالی ہے۔اس لئے واپس جانا چاہتا ہوں۔فرمایا روانگی کی تاریخ آگے کر لیں۔میں نے عرض کی حضور ٹکٹ کی تاریخ اب آگے کرنا ممکن نہیں ہے۔فرمایا ٹھیک ہے جائیں۔لیکن اپنے آپ کو تھکانا نہیں ہے۔میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازہ کی جانب چل پڑا۔آپ نے مجھے آواز دی اور فرمایا۔کیا میں نے آپ کو اَلیس اللہ کی انگوٹھی دی ہے۔میں نے عرض کی حضور انور بہت سے تبرکات ملے ہیں لیکن انگوٹھی نہیں ملی۔فرمایا ادھر آئیں، دراز میں سے ایک انگوٹھی نکالی۔اس پر ہاتھ پھیرا اور مجھے پہنا دی۔بعد ازاں میری اہلیہ کو بھی ایک انگوٹھی دی اور فرمایا۔آپ بھی لے لیں۔آپ بھی مربی کی بیوی ہیں۔

میں نے اس سارے واقعہ کو صرف ایک محبت اور شفقت تصور کیا۔میری فلائٹ اگلے روز شام کو تھی جس کے لئے مجھے ظہر کے بعد گھر سے روانہ ہونا تھا۔اس روز دوپہر سے قبل میرے سینہ اور بائیں بازو میں درد شروع ہوگئی، یہ دل کی تکلیف تھی۔ایمبولینس بلائی گئی۔ڈاکٹرز نے بتایا یہ ایک بہت شدید دل کا حملہ تھا۔

اب حضور انور سے ملاقات یاد آ گئی کہ خدا تعالیٰ کے خلیفہ اپنی روحانی بصیرت سے مجھ ناسمجھ کو انتباہ فرما رہے تھے۔اس پر ایک دوست نے تبصرہ کرتے ہوئے بڑی خوبصورت بات کی کہ انگوٹھی دینے میں یہی پیغام تھا۔کہ جاؤ تمہارا رب ہی رکھوالا ہے۔

اس کے بعد کئی مراحل آئے۔آخر سرجری بھی ہوگئی۔اس بیماری کو اب سولہ سال ہوگئے ہیں۔اس دوران چھ دفعہ اینجو پلاسٹی بھی ہوتی رہی۔یہ سب کچھ ایک معجزہ سے کم نہیں ہے۔

سال 2012ء میں گردے ناکارہ ہوگئے۔اس طرح ڈیالیسز شروع ہوگئے۔جو عرصہ آٹھ سال سے جاری ہیں۔

اسپتال میں روز وشب

خاکسار ہارٹ سرجری کے سلسلہ میں اسپتال میں زیر علاج تھا۔انگلستان میں کسی بھی اہم سرجری کے لئے بسا اوقات کئی کئی روز تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔کیونکہ روزانہ ہی ایمرجنسی کیس آجاتے ہیں۔جنہیں فوری فوقیت دی جاتی ہے۔میرے کمرے میں میرے علاوہ پانچ اور مریض بھی تھے۔زیادہ تر انگریز دوست تھے۔

انگریز مریض اسپتال میں بھی نارمل زندگی گزارتے۔صبح اٹھتے،نہا دھو کر مناسب

لباس زیب تن کر کے اخبارات، ٹی وی یا، کتب بینی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔کھانا ہمیشہ ہی باقاعدہ کرسی پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔اکثر اوقات آپس میں خوش گپیوں میں لگے رہتے۔حالانکہ ہمارے معاشرہ کے برعکس انہیں ملنے والے عزیز واقارب صرف ہفتہ، اتوار کو ہی آتے تھے۔اس کے باوجود انہیں مسکراتے ہوئے ہی دیکھا ہے۔

ہمیں بچپن سے چونکہ بستر پر چوکڑی مار کر بیٹھنے کی عادت ہے اور اسی میں استراحت محسوس کرتے ہیں۔اس لئے میں اکثر اوقات بیڈ پر چوکڑی مار کر بیٹھ جاتا اور بہت سے ممکنہ کام سرانجام دے لیتا۔

انگریز مریض میرے بیٹھنے کے اس انداز پر بڑے حیران ہوتے۔آخر ایک دن ایک مریض نے پوچھ ہی لیا۔مسٹر احمد کیا آپ اس طرح بیٹھ کر یوگا کرتے ہیں؟

مایوسی گناہ ہے

میرے کمرہ میں ایک سری لنکا کے دوست بھی تھے۔جن کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ ہر لمحہ ان کے چہرہ پر اداسی اور پریشانی کے بادل چھایا رہتے۔نہ بروقت لباس بدلتے۔ان کے عزیز انہیں شام کے وقت ملنے آجایا کرتے تھے۔

ایک دن میں ان کے پاس گیا۔ان کا حال احوال پوچھا۔انہوں نے اپنی بیماری کا حال بتایا۔ کہنے لگے ایک دن کار پر کسی عزیز کو ملنے جارہا تھا۔اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میری کار کی بریک نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔لیکن بعد میں احساس ہوا کہ میرا پاؤں کام نہیں کررہا ہے۔میں نے بڑی احتیاط سے کار سڑک کے ایک جانب پارک کی۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ مجھے تو سٹروک ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میرا پاؤں مفلوج ہو چکا ہے۔اہل خانہ

سے رابطہ کیا، انہوں نے فوری طور پر ہسپتال پہنچا دیا۔اس لئے میں کافی دنوں سے اسپتال میں اپنی مجوزہ سرجری کے لئے اپنی باری کا انتظار کررہا ہوں۔

اس سے بات چیت کا سلسلہ چلتا رہا۔اس نے بتایا کہ اس کے دو بیٹے ہیں جودونوں برسرروزگار ہیں۔جن کے لندن میں اپنے ذاتی مکان ہیں۔بیوی بھی کسی دفتر میں ملازمت کررہی ہے۔

نیز بتایا کہ میں نے اپنے گھر میں بعض ضروری اضافے کرنے ہیں۔جس کے لئے میں نے بنک سے قرض اپلائی کیا ہوا تھا۔اب وہ رقم تو مجھے مل گئی ہے لیکن اتفاق سے اب میں بیمار ہوگیا ہوں اور کئی روز سے ہسپتال میں ہوں۔اب وہ رقم میرے لئے خاصی پریشانی کا سبب بن گئی ہے۔

میں نے اسے بتایا ذرا تصور کرو۔جس طرح آپ کو کار چلاتے ہوئے بھرپور ٹریفک میں سٹروک ہوا تھا۔لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچالیا ہے۔اس صورت حال میں تو بہت کچھ ہوسکتا تھا۔تمہیں تو خدا کا شکرادا کرنا چاہیے جس نے تمہیں نئ زندگی بخشی ہے۔

پیسوں کا کیا ہے اور مل جائیں گے۔تمہارے بیٹوں کے اپنے مکان ہیں۔بیوی بھی کمارہی ہے۔ذرا اپنے ماحول میں تو دیکھو یہاں توکئی لوگ ایک کمرے کوترس رہے ہیں۔تمہاری یہ مصنوعی پریشانی تمہارے صحت مند ہونے میں ایک روک بنی ہوئی ہے۔ اٹھو بس فریش ہو جاؤ۔کپڑے بدلو پھر اسپتال کے ریسٹورنٹ میں جا کر چائے پیتے ہیں۔اس نے میری بات بخوشی مان لی۔میں نے محسوس کیا کہ اس کے بعد اس کی حالت میں تیزی سے صحت مند تبدیلی پیدا ہوئی۔جس کی وجہ سے وہ صاحب اوراس کے اہل خانہ کے ساتھ میرے بہت دوستانہ تعلقات بن گئے۔

مریض کی حوصلہ شکنی نہ کریں

ہمارے معاشرہ میں جب کوئی بیمار ہوتا ہے۔خاص طور پر بڑی بوڑھیاں اپنے اپنے انداز میں بڑے دلچسپ خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ہائے بیٹا تمہارا رنگ تو پیلا زرد ہو گیا ہے۔ہائے تمہاری آنکھیں کس طرح اندر دھنس گئی ہیں۔تم تو ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ہو۔محبت اور ہمدردی کے اظہار کے لئے قسم قسم کے مایوس کن اور دلشکن کلمات ان کی زبان سے نشتر بن کے نکلتے ہیں۔جو بے چارے مریض کی ہمت بندھانے کی بجائے اس کی بیماری میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔

موت کا فرشتہ

بسا اوقات تو بعض لوگوں کے رویہ کی وجہ سے ان کے بارے میں عوام الناس میں منفی تاثر بھی سرزدعام ہو جاتا ہے۔اسی قسم کی ایک بڑھیا سرگودھا کے ایک گاؤں میں رہتی تھیں۔ان کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا۔جس بیمار کے گھر وہ تیمارداری کے لئے جاتی ہیں۔وہ مریض جلد ہی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ایک دفعہ اس بڑھیا کا ایک بھتیجا سخت بیمار ہو گیا۔کافی علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔اس بڑھیا کو بھی خبر ہوئی کہ فلاں عزیز بیمار ہے۔چلو بیمار پرسی کر آؤں۔جب وہ بڑھیا ان کے گاؤں میں پہنچی۔کسی نے اس نوجوان کو بھی بتا دیا کہ آپ کی پھوپھی تیمارداری کے لئے تمہارے گھر آرہی ہے۔مریض نوجوان میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آگئی۔فوراً اٹھا اور گھر کے پچھواڑے سے دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا۔

بیمار پرسی کا معصومانہ انداز

میں سکول میں تدریسی خدمات سرانجام دیا کرتا تھا۔ایک دفعہ میں خاصا بیمار ہوگیا۔جس کی وجہ کافی دن سکول نہ جاسکا۔اس دوران حسب دستور، میرے کئی ملنے والے عزیز واقارب، یار دوست اور بعض طلبہ بھی میری عیادت کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ہمارے ہاں حسب عادت ہر آنے والا اپنی عقل وسوچ کے مطابق حال احوال پوچھنے کے بعد اپنے طبی مشورے اور کئی قسم کی ہدایات اور احتیاطوں سے ضرور نوازتا ہے۔

ایک روز میرا ایک شاگرد بھی میری بیمار پرسی کے لئے آیا۔ بیمار پرسی کی۔ پھر کہنے لگا۔ چند ماہ قبل میرے بڑے بھائی کو بھی یہی بیماری لگی تھی ۔وہ بے چارہ تو ایک ہفتہ کے اندر ہی فوت ہوگیا تھا۔اس طالب علم کا انداز ایسا معصومانہ تھا کہ آپ سوائے صبر کے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

مثبت اور منفی انداز فکر

آدھا گلاس خالی ہے یا آدھا گلاس بھرا ہوا۔مطلب تو ایک ہی ہوتا ہے۔مگر انداز بیان میں بہت فرق آجاتا ہے۔ جب مجھے ڈاکٹرز نے بتایا کہ اب آپ کے ڈیالیسز شروع ہونے والے ہیں۔اس خبر پر بظاہر تو میں نارمل ہی تھا۔لیکن میرے دل میں بے شمار وساوس پیدا ہو گئے۔اور ساتھ ہی مجھے نفسیاتی طور پر کمزوری کا احساس پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ میرے محلہ میں دو دوست اس موذی مرض کا شکار تھے۔ ان سے علیک سلیک تھی۔لیکن اس بیماری کے حوالے سے کبھی تفصیل سے بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ یہ دوست

ہفتہ میں تین بار قریبی ہسپتال میں ڈیالیسز کے لئے جایا کرتے تھے۔ان سے معلومات کے لئے رابطہ قائم کیا۔تاکہ اس بیماری کے بارے میں کچھ تفاصیل حاصل کروں۔

ایک دوست کے ساتھ ملاقات ہوئی۔بات چیت ہوئی۔اسے اپنی بیماری کے بارے میں بتایا۔اس کے چہرہ پر سخت پریشانی ہویدا ہوگئی۔اس نے مجھے اس موذی بیماری کی کیفیات کے بارے میں بہت ڈرایا۔اس کی بیان کردہ تفاصیل کے ہر جملہ پر مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔بڑی ہی مایوسی کی حالت میں گھر واپس آیا۔اب تو چلنا بھی دشوار محسوس ہورہا تھا۔شام کھانا پیش کیا گیا۔لیکن بھوک کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔اہل خانہ کے اصرار پر چند لقمے زہر مار کئے۔رات بھر بہت سارے پریشان کن خیالات دل ودماغ پر چھائے رہے۔

اگلے روز مسجد میں دوسرے مریض دوست سے ملاقات ہوگئی۔وہ کہنے لگا۔آپ پریشان نہ ہوں۔آجکل تو اس بیماری کے علاج کے سلسلہ میں بہت ساری سہولیات پیدا ہو گئی ہیں۔آپ بالکل فکر نہ کریں۔جونہی آپ کا ڈیالسز شروع ہوگا۔آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔آپ کی رنگت ٹھیک ہوجائے گی اور پاؤں اور چہرہ کی سوجن ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائے گی۔آپ بالکل فکر نہ کریں۔آپ دیکھ لیں میں بالکل ٹھیک ہوں اور نارمل زندگی بسر کررہا ہوں۔بس آپ اپنے رویہ کو بدلیں اور صحت مند خوراک لیں اور بیماری کے حوالے سے مثبت سوچ پیدا کرلیں۔میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔

کہنے لگے۔آپ مجھے بتائیں۔دنیا میں کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ مکمل صحت مند ہوں۔ہر کوئی کسی نہ کسی مرض کا شکار ہے۔ہمیں اگر یہ تکلیف ہے تو باقی لوگوں کی بیماریاں بھی مختلف ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں اب بیماری لگ تو گئی ہے۔اب اس سے مقابلہ ہے۔اس کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دینا ہے بلکہ اس کو دبا کر رکھنا ہے۔اس محترم دوست کی باتوں نے میری ہمت بڑھادی اور میں اپنے آپ کو بہتر محسوس کرنے لگا۔کہتے ہیں۔سر چوہدری ظفراللہ خان صاحب کو اوائل جوانی میں ہی شوگر ہوگئی تھی۔اس پر ایک دوست کہنے لگے۔دراصل شوگر کو چوہدری صاحب ہوگئے تھے۔کیونکہ چوہدری صاحب نے باوجود شوگر کے مریض ہونے کے ایک بہت فعال اور لمبی زندگی پائی ہے۔

بہادر خاتون

مجھے بتایا گیا کہ ہفتہ میں تین روز ڈیالیسز ہونگے۔ہر سیشن کا دورانیہ چار گھنٹے اور پانچ منٹ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ آمدورفت اور اپنی باری کے انتظار میں کم از کم دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر مجھے ایک ڈیالیسز سنٹر میں بھیج دیا گیا۔ میرے وارڈ میں چار مریض تھے۔یہ سارے مریض کافی عرصہ سے ڈیالیسز کرا رہے تھے۔اس لئے اس میدان میں کافی صاحب تجربہ تھے۔ان مریضوں سے علیک سلیک ہو ئی۔ہر نو وارد کی طرح مجھے بھی بہت سے سوالات کے جوابات درکار تھے۔

میرے بیڈ کے قریب ہی ایک انگریز خاتون جس کی عمر پینسٹھ سال کے قریب تھی۔اس نے بتایا کہ وہ ایک قریبی شہر میں کسی دفتر میں پراجیکٹ مینیجر ہے۔پہلے پہر آفس میں کام کرتی ہے۔شام کو ڈیالسز کے لئے آتی ہے اور پھر رات بارہ بجے اپنے گھر اپنی کار خود چلا کر جاتی ہے۔

میرے لئے اس کی باتیں عجیب تھیں۔اس نے بتایا کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے جو

یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے۔ میں تو یہ سب کچھ اسی کے لئے کر رہی ہوں کیونکہ میں اپنے بیٹے کو ایک بیمار ماں نہیں دینا چاہتی۔

اس بہادر خاتون کی باتوں نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے سوچا یہ خاتون جو مجھ سے عمر میں بڑی ہیں اور عرصہ بارہ سال سے ڈیالیسز کرا رہی ہیں۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر رہی ہے۔ میں تو ایک مرد ہوں اور میں ایک مایوسی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ اسی وقت میں نے فیصلہ کر لیا کہ جو بھی ہو میں سارے اپنے کام خود ہی کروں گا۔ اگلے روز میں نے اپنی گاڑی جو میری بیماری کے باعث کافی دنوں سے پارک تھی۔ اس کو نکالا اور دوستوں کو ملنے چل نکلا۔ اہل خانہ نے کافی مخالفت کی۔ بہت ڈرایا۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ عرصہ آٹھ سال سے کار چلا رہا ہوں۔ اپنے سارے کام خود انجام دیتا ہوں اور یہ بیماری کبھی بھی میرے لئے روک نہیں بنی ہے۔

بیماری سے ہارنا نہیں

بیماری ایک ناگہانی آفت کی طرح آتی ہے اور گھر کے سارے سکون کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ ایک کنبہ میں فرد واحد کے بیمار ہونے سارے اہل خانہ کے طرز عمل میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ مریض کی دیکھ بھال کرنا، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا وغیرہ، اب اس سے کس طرح نمٹا جائے۔

اپنے تجربہ کی بنا پر چند باتیں پیش خدمت ہیں۔

اسپتال میں ہفتہ میں تین بار جاتا ہوں جہاں چھ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ جن میں سے پانچ گھنٹے تک مسلسل بیڈ پر دراز رہنا پڑتا ہے۔ اسپتال سے واپس آ کر کم از کم تین گھنٹے

آرام کرتا ہوں۔اس کے بعد تازہ دم ہوکر دیگر مصروفیات زندگی میں لگ جاتا ہوں۔ روزانہ پیدل یا گاڑی پر باہر نکل جاتا ہوں۔

مضمون نویسی

اس دوران میں اپنے لیپ ٹاپ کے ذریعہ مختلف پروگرام دیکھتا ہوں۔ اس دوران میں مضامین لکھتا رہتا ہوں جو مختلف اخبارات ورسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔جس سے افادہ عام کے علاوہ مجھے بھی قلبی تسکین ہوتی ہے۔ میں نے اللہ کے فضل سے ڈیالیسز کے عمل کے دوران چند کتب بھی تصنیف کی ہیں۔

خدمتِ دین کو اک فضل الٰہی جانو

قرآنی ارشاد کے مطابق خدمت دین سے انسان کی عمر بڑھتی ہے۔ میں بھی اللہ کے فضل کسی نہ کسی رنگ میں خدمت دین کے لئے کمر بستہ رہتا ہوں۔مختلف شعبوں میں خدمت کی توفیق مل جاتی ہے۔

تراجم،تقاریر،سوال وجواب،مضامین اورکلاسز وغیرہ ذالك فضل الله۔

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

بیماری کے ابتدائی عرصہ میں خاصا کمزور ہوگیا تھا۔ایک روز مجھے کسی طرح علم ہوا کہ ہمارے محلہ میں کونسل کے کچھ زرعی پلاٹس ہیں جو درخواست دینے پر مل سکتے ہیں۔ میں نے فوری رابطہ کیا اور مجھے اتفاق سے ایک پلاٹ مل گیا۔ میں نے عزیزوں کے تعاون سے اسے تیار کرلیا۔جس میں، میں نے ایک کمرہ بنالیا اور کھیتی باڑی کا کام شروع کردیا۔ابتدا

میں پندرہ بیس منٹ میں تھک جاتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ جسم مضبوط ہوتا چلا گا۔اس کے بعد میں نے بسا اوقات لگاتار کئی کئی گھنٹے کام کرنا شروع کر دیا۔جس کے نتیجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک صحت مند زندگی گزارنی شروع کر دی۔الحمدللہ

میں نے یہاں سبزیاں، پھول دار، اور پھل دار پودے وغیرہ بھی لگائے ہوئے ہیں۔فارغ اوقات میں وہاں جا کر کام کرتا ہوں۔کتابیں پڑھتا ہوں۔جماعتی کام بھی کرلیتا ہوں۔میرے عزیزوں کے علاوہ دوست احباب بھی آجاتے ہیں۔یہاں کا ماحول بہت ہی صحت مند ہوتا ہے۔یہاں سے ملنے والی سبزیاں، پھل اور پھول دوستوں میں تقسیم کر دیتا ہوں جس سے بڑی خوشی اور تسکین خاطر ہوتی ہے۔اس زمین کے ٹکڑے نے مجھے ایک نئی زندگی بخش دی ہے۔

سپین میں تبلیغ،خلافت ایک معجزہ ہے

اس بیماری کے باوجود حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ نے خاکسار کو ارشاد فرمایا کہ سپین میں جاکر تبلیغ کروں۔ بظاہر یہ ایک بہت ہی مشکل امر تھا۔کیونکہ ڈیالیسز ایک لمبا طریق کار ہوتا ہے۔جہاں بھی جانا مقصود ہو۔وہاں کے اسپتالوں سے رابطہ کر کے ایک ماہ قبل منظوری لینی پڑتی ہے۔جو ایک خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔بہت ساری مشکلات درپیش تھیں۔

حضور انور کی رہنمائی اور دُعا سے سارے مسئلے حل ہوتے گئے۔مجھ جیسے کمزور اور بیمار آدمی کو اللہ کے فضل سے اس کی توفیق ملی۔تقریباً دو سال سے سپین میں کام جاری ہے۔ سپین کے ہر بڑے شہر میں جاکر تبلیغ کی سعادت ملی ہے۔ہر سفر میں اللہ تعالیٰ کی تائید

ونصرت کے نظارے نظر آتے ہیں۔

شیریں ثمرات

سب سے بڑی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اٹھائیس افریقن بھائی مل گئے جو احمدی تھے لیکن ان کا جماعت سے رابطہ نہ تھا۔ جو اب اللہ کے فضل سے جماعت سے رابطہ میں ہیں۔ اس کے علاوہ تیس نئی بیعتیں بھی ہوئیں۔ الحمدللہ

ایں سعادت بزور بازو نیست گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

انمول ہیرا۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب

مکرم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ایک ایسا انمول ہیرا تھے۔ جس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور ہر قوم، ملک، اور خطہِ ارضی کے لئے پاکستان کی نیک نامی اور تعارف کا سبب بنے۔

سینیگال پاکستان سے بہت دور دراز مقام ہے۔ وہاں سے ڈاکٹر صاحب کی نیک نامی کے چند واقعات پیش خدمت ہیں جو بظاہر ڈاکٹر صاحب کی شان و مرتبہ کے لحاظ سے کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ آپ کے علمی کارناموں کے بارے میں بڑی بڑی ضخیم کتب لکھی گئیں۔ یہ کتابیں دنیا بھر کی لائبریریوں کی زینت بن چکی ہیں۔ ان کے سامنے یہ واقعات بہت معمولی نوعیت کے ہیں۔ سورج کے آگے ایک چھوٹی سی شمع جلانے کے مترادف ہے۔

بہرحال اس ملک کے لحاظ سے ان واقعات کی اہمیت سے انکار بھی ممکن نہیں

،کس طرح آپ کی شہرت اور نیک نامی اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کناروں تک پہنچائی۔

(1) ایک روز سینیگال کے کولخ نامی شہر میں خاکسار ایک ڈاکٹر صاحب کے پاس بغرض علاج گیا۔ڈاکٹر صاحب کو اپنا تعارف کرایا کہ میں پاکستانی ہوں اور جماعت احمدیہ کا مبلغ ہوں۔ ڈاکٹر صاحب فوراً بولے پاکستان ایک عظیم ملک ہے وہاں کے لوگ بہت عالم اور ذہین ہیں۔

میں نے پوچھا آپ یہ بات آپ کس حوالہ سے کر رہے ہیں۔ان کے سامنے ایک فرانسیسی زبان میں رسالہ پڑا ہوا تھا جس پر ڈاکٹر سلام صاحب کی تصویر تھی اور ساتھ ہی آپ کے نوبل پرائز حاصل کرنے کی تفاصیل تھیں۔انہوں نے فوراً مجھے وہ رسالہ دکھایا اور کہنے لگے ہم سب مسلمانوں کو اسلام کے اس بطل جلیل پر فخر ہے۔

(2) ایک دفعہ خاکسار ڈاکار سے تقریباً 250 کلومیٹر کے فاصلہ پر کسی کام کے سلسلہ میں گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک پاکستانی دوست بھی مل گئے۔ ہم لوگ ایک ریستوران میں چائے پینے کے لئے چلے گئے۔ ہمارے ساتھ والی میز پر ایک یورپین چائے پی رہا تھا۔اس سے باتیں شروع ہوگئیں اس نے پوچھا کہ ہمارا تعلق کس ملک سے ہے۔ہم نے اسے بتایا کہ ہم پاکستانی ہیں۔ وہ شخص فوراً بوالا ڈاکٹر عبدالسلام کے ملک سے۔ خدا جانتا ہے۔ مجھے کس قدر خوشی اور مسرت ہوئی کہ اس دور دراز علاقہ میں بھی ڈاکٹر صاحب کا نام نامی گونج رہا ہے۔(اس شخص کا تعلق اٹلی سے تھا)

(3) سینیگال میں جماعت کے ایک مخلص اور فدائی ممبر آنرایبل کابنے کا با صاحب ایک روز اپنے ایک کزن کے ساتھ میرے گھر تشریف لائے۔اتفاق سے ان کے کزن کا نام بھی کابنے کا باہی تھا۔

یہ دوست ڈاکار یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر ہیں۔ سیاست سے بھی ان کا تعلق ہے۔آجکل اپنے شہر کے میئر بھی ہیں۔ جب یہ دونوں عزیز میرے گھر تشریف لائے (اول الذکر تو احمدی ہیں مگر موخر الذکر احمدی نہیں ہے)

جب باتیں شروع ہوئیں اور انہوں نے بتایا کہ وہ فزکس کے پروفیسر ہیں۔ میں نے انہیں پوچھا کیا آپ نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا نام سنا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ نے عجیب سوال کیا ہے۔ میرے نزدیک اس صدی میں کوئی آدمی انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے جو ڈاکٹر عبدالسلام جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے اسم گرامی سے ناآشنا ہو۔

یہ شخص تو ایسے لگتا تھا کہ ڈاکٹر سلام صاحب کا بہت بڑا عاشق ہے۔ اور تقریباً سارا وقت وہ ڈاکٹر صاحب کے علم، معرفت اور خدمات کا اس رنگ میں ذکر کرتا رہا جس طرح کوئی ڈاکٹر صاحب کا بہت ہی قریبی عزیز باتیں کر رہا ہو۔ اور یہ باتیں دل کی گہرائیوں سے کر رہے تھے انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر صاحب نے افریقن ممالک کی بے حد خدمت کی ہے۔ اور نیز بتایا کہ ڈاکار یونیورسٹی کا ایک شعبہ آج تک ڈاکٹر صاحب کے اٹلی میں قائم کردہ ادارہ سے استفادہ کر رہا ہے۔ ذلك فضل الله يعطيه من يشاء۔

ذکر خیر آنرایبل کابینے کا باجا کاٹے صاحب

مرحوم کابنے کابا صاحب سینیگال بھر میں بہت مقبول سیاسی اور انتظامی شخصیت تھے۔ ان کا تعلق سینیگال کے معروف شہر تانبا کنڈا سے تھا۔ آپ کا خاندان سیاسی اعتبار سے علاقہ بھر میں بہت ہی معروف و مقبول ہے۔ جس زمانہ میں، مَیں سینیگال میں تھا۔ اس دور میں تین ممبرز آف پارلیمنٹ ان کے اپنے گھرانہ میں سے تھے۔

بنیادی طور پر شعبہ تعلیم سے وابستہ تھے، بعد میں سیاسی میدان میں آ گئے پھر مسلسل تین دہائیوں تک بطور ممبر آف پارلیمنٹ، میئر اور دیگر اعلیٰ عہدوں پر خدمت کی توفیق پائی۔

قبولِ حق کی سعادت

1995ء میں آنرایبل نجیک جینگ ڈپٹی سپیکر نیشنل اسمبلی کے ذریعہ جماعت کا پیغام پہنچا۔ پھر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے دل کی گرہ کھول دی، جس کے بعد بشاشتِ قلبی اور انشراحِ صدر کے ساتھ بیعت کر کے لشکرِ احمدیت میں شامل ہو گئے۔ دراصل گیمبیا میں ان کے ایک عزیز رہتے تھے۔ جو احمدی تھے۔ جن کے ذریعہ سے کابنے صاحب کسی حد تک جماعت احمدیہ سے متعارف تھے۔

انفاق فی سبیل اللہ

سینیگال میں اوائل میں بیعت کرنے والے زیادہ تر دوست مزدور پیشہ یا زمیندار تھے جو حسبِ توفیق مالی قربانی کرتے تھے۔ جب آپ نے بیعت کی تو بفضلِ تعالیٰ دل کھول کر مالی قربانی پیش کرنے کی توفیق پائی، ان دنوں سینیگال بھر میں سب سے زیادہ مالی قربانی کرنے والے تھے۔

چندہ کی برکت۔ کیا خوب سودا نقد ہے

ابتدا میں ملک بھر میں کوئی مشن ہاؤس نہیں تھا۔ جماعتیں بھی نئی نئی بننی شروع ہوئی تھیں۔ اکثر زمیندار دوست تھے۔ جو گھاس پھونس کے چھوٹے چھوٹے گھرانوں میں

رہتے تھے جو مشکل سے ان کے اہل خانہ کے سر چھپانے کیلئے ہی کافی ہوتے تھے۔اس لئے دورانِ سفر رات گزارنے کا مرحلہ بہت کٹھن ہوتا تھا۔

جب کابنے کا با صاحب نے بیعت کر لی ،تو اس کے بعد اکثر میرے گھر تشریف لاتے۔ایک بار میں نے ان کے علاقہ میں تبلیغی دورہ پر جانے کا پروگرام بنایا۔میں نے انہیں اطلاع دی کہ فلاں دن میں تانبا کنڈا کے علاقہ میں آنا چاہتا ہوں۔بڑے خوش ہوئے اور ہمارے لئے ایک ہوٹل میں دو کمرے بک کرادئے۔جب ہم لوگ وہاں پہنچے ،ہمیں بڑے تپاک کے ساتھ خوش آمدید کہا اور پھر ہمیں ایک ہوٹل میں لے گئے۔میں نے کہا۔مبلغ تو ہوٹل میں نہیں رہتے ،ہم تو کہیں بھی رات گزار سکتے ہیں۔کہنے لگے، یہ میں نے اپنی محبت سے کیا ہے۔میں نے کہا۔کیا ہی اچھا ہوتا ،اگر آپ یہ رقم چندہ میں دے دیتے۔نو مبایع تھے۔اس لئے مالی قربانی کے نظام کے بارے میں ابھی تک پوری طرح نہیں جانتے تھے۔اس پر میں نے ان کی خواہش پر مالی نظام کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بتایا۔کہنے لگے ان شاالله میں اب چندہ جات ادا کیا کروں گا۔

ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ ان کا مجھے فون آیا۔کہنے لگے میں میں ڈاکار میں ایم پی ہاسٹل میں ہوں اور میری گاڑی خراب ہے۔اس لئے اگر ممکن ہو تو میرے پاس ہاسٹل میں آجائیں۔میں ہاسٹل پہنچ گیا۔علیک سلیک کے بعد انہوں نے اپنا بریف کیس کھولا اور اس میں سے چار سو ڈالر نکال کر مجھے تھما دئے اور کہا کہ یہ میرا چندہ ہے۔اس سے قبل کبھی بھی کسی احمدی نے سینیگال میں اتنی بڑی مالی قربانی نہ کی تھی۔

چندہ کی برکت

اگلے روز مجھے ان کا ٹا نبا کنڈا سے فون آیا۔ کہنے لگے جزاکم اللہ امیر۔ میں نے کہا کہ کس بات کا جزاکم اللہ۔ کہنے لگے، میں نے چندہ کی برکت دیکھ لی ہے۔ بتانے لگے۔ جب میں ڈاکار سے واپس اپنے شہر جا رہا تھا۔شام کے وقت میں نے ایک ویران علاقہ میں برلبِ سڑک نماز ادا کی اور کچھ کھایا پیا۔اس کے بعد اپنی منزل کو رواں دواں ہو گئے۔رستہ میں مجھے اپنے بریف کیس کی ضرورت پیش آئی۔دیکھا تو بریف کیس نہیں تھا،علم ہوا جہاں رکے تھے،ادھر ہی رہ گیا ہے، پریشانی میں واپس گئے،لیکن وہاں تو کچھ بھی نہ ملا، مایوس ہو کر واپس چل پڑے۔سخت پریشانی تھی،لیکن کیا کر سکتے تھے۔ کہنے لگے،علی الصبح کسی نامعلوم شخص کا فون آیا اور پوچھا،آپ کون صاحب ہیں۔میں نے بتایا کہ میں کا بنے بول رہا ہوں۔دوسری جانب سے آواز آئی کیا آپ کا کوئی سامان گم ہوا ہے۔میں نے بتایا میرا بریف کیس کل راستہ میں گم گیا ہے اور بتایا کہ اس میں کچھ کرنسی ہے، چار پاسپورٹس اور ائر ٹکٹس ہیں۔ کہنے لگے۔آپ فکر نہ کریں وہ میرے پاس ہے۔میں فلاں ہوٹل میں ہوں، آکر لے جائیں۔ یہ دوست ایک نیک دل انجینئر تھے جنہوں نے کمال ایمان داری کے ساتھ سب کچھ واپس دے دیا۔درحقیقت بریف کیس میں خاصی کرنسی کے علاوہ سعودی عرب کے ویزہ شدہ پاسپورٹ اور ٹکٹیں تھیں۔

غیر ممکن کو ممکن میں بدل دیتا ہے۔خلیفہ کے الفاظ

یہ مالی قربانی کا واقعہ،ان دنوں کی بات ہے۔جب ان کی سیاسی پارٹی کے سربراہ

نے انہیں آئندہ انتخابات میں ٹکٹ دینے سے معذرت کردی تھی۔ بعد میں ایک اور وعدہ کیا مگر پھر مایوس کیا۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت میں ان کی مالی قربانی اور سیاسی حالات کی پریشانی کے بارے میں بذریعہ فیکس اطلاع کی نیز دُعا کی درخواست بھی کی۔ چند ایّام کے بعد حضورِ انور کا خط ملا۔ فرمایا۔ انہیں بتائیں کہ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو پہلے سے بہتر مقام عطا کرے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ صدر مملکت نے انہیں وزیر کے برابر عہدہ پر متعین کردیا۔ یہ ایک بہت ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔

ایمان داری

بہت ہی قابل اعتماد اور ایمان دار انسان تھے۔ جب سینیگال میں، خاکسار نے جماعتی ضروریات کے لئے کچھ رقبہ خریدا، ملکی حالات کے تحت، اسے جماعت کے نام پر خرید نہیں سکتے تھے۔ یہ ایک ایکڑ رقبہ مرحوم کے نام پر خریدا گیا۔ بعد ازاں کافی سالوں کے بعد جماعت کے نام پر منتقل کیا گیا۔ آجکل اسی رقبہ میں جماعت کے دفاتر، گیسٹ ہاؤسز اور جلسہ گاہ ہے۔ الحمدللہ

مہمان نوازی

خاکسار کو بہت دفعہ ان کے گھر میں شب بسری کا موقع ملتا رہا۔ بہت ہی محبت اور پیار سے پیش آتے اور میری ادنیٰ ادنیٰ ضرویات کا خیال رکھتے۔ ایک دفعہ گنی بساؤ میں ملکی حالات بگڑنے کی وجہ سے مرکزی کارکنان، مکرم حمیداللہ ظفر صاحب امیر جماعت گنی بساؤ کی قیادت میں سینیگال میں ہجرت کرنی پڑی۔ گنی بساؤ اور سینیگال کے بارڈر کے

قریبی شہر میں ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ انہی ایام میں پردیس در پردیس کی حالت میں عید آ گئی۔ ہم نے کابنے کا با صاحب کے شہر میں عید پر اکٹھے ہونے کا فیصلہ کیا۔ مکرم موصوف نے ایک سرائے جو بیرون شہر تھی، اس میں ہمارے قیام کا انتظام کیا۔ اس دوران انہوں نے ہم سب کا اسقدر خیال رکھا کہ جو بہت ہی قابلِ ستائش ہے۔ عید کے روز کھانا بن رہا تھا۔ اس دوران کسی دوست نے کہا کہ لیموں ہونے چاہیے۔ موصوف ادھر ہی تھے، فوری طور بن بتائے اپنی گاڑی پر کہیں چلے گئے۔ ہم نے سوچا کسی کام کے لئے گئے ہیں۔ گھنٹہ بھر کے بعد واپس تشریف لائے اور کہا یہ لیموں حاضر ہیں۔ اس موسم میں لیموں ناپید تھے۔ تلاشِ بسیار کے بعد کہیں سے لے ہی آئے۔ یہ مختصر سا واقعہ ان کے اخلاقِ حسنہ کا مظہر ہے۔

ہمدرد اور باوفا دوست

سینیگال میں قیام کے دنوں میں میری والدہ محترمہ کا پاکستان میں انتقال ہوا۔ آنرایبل کسی دور دراز علاقے میں دورہ پر گئے ہوئے تھے۔ جب انہیں والدہ کی رحلت کا علم ہوا تو فوری طور دورہ ملتوی کر کے بذریعہ ہوائی جہاز تعزیت کے لئے ڈاکار تشریف لے آئے۔

خلافت سے عشق

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ فوری طور میرے گھر تشریف لائے۔ اسی دوران مرکز سے ارشاد موصول ہوا کہ میں بھی انگلستان پہنچوں۔ حسبِ

ارشاد مرکز لندن جانے کے لئے میں ان کے ہمراہ ایئر پورٹ پہنچا۔لیکن کوئی جہاز نہ مل سکا۔سارا دن ہم لوگ ادھر ہی محوِ انتظار رہے، شاید کوئی جہاز مل جائے۔لیکن سوائے مایوسی کے کچھ نہ مل پایا۔اگلے روز پھر علی الصبح ائر پورٹ پر پہنچ گئے۔اب ایک ایئر لائن سے ٹکٹ ملنے کی کچھ امید پیدا ہوئی، لیکن اس کی قیمت عام ٹکٹ سے تین گنا زیادہ تھی۔جو جماعتی مالی صورتِ حال کے پیش نظر میری سکت سے بہت بالا تھی۔میں اب مایوسی کی کیفیت میں تھا۔ کابنے صاحب کہنے لگے، دیکھو زندگی میں ایسے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔تم پیسوں کی فکر نہ کرو، یہ رقم میں ادا کر دوں گا۔ میں نے کہا کہ پیسے آپ کے ہوں یا جماعت کے، بات تو ایک ہی ہے۔لیکن ان کی خلافت اور جماعت کی خاطر محبت سے لبریز جذبات آج تک میرے دل میں نقش ہیں۔ افریقہ میں اللہ کے فضل سے بہت احمدیت کے شیدائی ہیں جو جان و مال و آبرو کی قربانی کرنے کے لئے ہر آن صف بستہ تیار رہتے ہیں، لیکن میں نے اپنے جاننے والے احباب میں سے اسقدر جماعت کی خاطر وسیع القلب سعید روح نہیں دیکھی۔ بعد ازاں بفضلِ تعالیٰ معجزانہ طور بڑے ہی مناسب داموں ٹکٹ کا انتظام ہو گیا۔

جلسہ سالانہ انگلستان میں کئی بار اپنے ذاتی اخراجات پر تشریف لائے۔ایک دفعہ جلسہ کے موقع پر حضورِ انور کی جانب سے غیر ملکی وفود کو کچھ چیز بطورِ تحفہ پیش کی گئی، تو کہنے لگے یہ تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ اشاعتِ دینِ حق کے لئے ہم حضورِ اقدس کی خدمت میں کچھ پیش کریں۔میرا ان کے ساتھ ہمیشہ ہی ٹیلی فونک رابطہ رہتا تھا۔جب بھی بات ہوتی، علیک سلیک کے بعد ہمیشہ پوچھتے کہ حضور کیسے ہیں؟

دعوت الی اللہ

بہت ہی نڈر اور بہادر احمدی تھے۔ دعوت الی اللہ ایک جنون تھا۔ ہر ملنے والے کو دعوتِ حق دیتے۔ یہاں تک کہ سربراہِ مملکت کو بھی جماعت کا تعارف کرانے کی توفیق ملی۔ مرحوم کا حلقہ اِحباب بہت وسیع تھا۔ ہر ملنے والے تک پیغام حق پہنچانے کی کوشش کرتے۔ ہر وقت انکی گاڑی میں جماعتی لٹریچر اور بیعت فارم دستیاب ہوتے۔

سپین میں موصوف کو شجر احمدیت کی تخم ریزی کی توفیق

گذشتہ سال خاکسار پیارے آقا کے ارشاد کی تعمیل میں تبلیغ کی غرض سے سپین میں تھا۔ ایک روز میں نے انہیں سینیگال فون کیا اور بتایا کہ میں آجکل سپین میں تبلیغی مشن پر ہوں۔ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے وہاں میرے بھی کچھ عزیز ہیں اور بتایا کہ میں ان کو آپ کے بارے میں فون کر کے بتا دیتا ہوں۔ اور آپ کو ان کے فون نمبر بھیجتا ہوں۔ ان سے رابطہ کریں۔ اندھے کو کیا چاہیے۔ دو آنکھیں، میں نے ان لوگوں کو کابنے کابا کے حوالہ سے اپنا تعارف کرایا۔ وہ دوست بہت خوش ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور بابِ رحمت وا کر دیا۔ بعدازاں ان میں سے چند گھرانے بیعت کر کے احمدیت کی آغوش میں آ گئے۔ جن کا اب جماعت سے گہرا رشتہ ہے الحمدللہ

یہ چند سطور میں نے اپنے مخلص دوست کے ذکرِ خیر میں رقم کی ہیں، تا کسی رنگ میں تو میں مرحوم دوست کا کسی حد تک حق ادا کر سکوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف اور قارئین کرام سے بھی التماس ہے کہ اس سعید روح کی مغفرت اور جنت الفردوس میں ارفع

مقام کے لئے دعا کریں۔آمین یارب العلمین۔

سپین ایک نظر میں

یہ ایک بہت ہی خوبصورت ملک ہے۔دیکھ کر بہت لطف آیا۔سوچا آپ سب کے لئے چند بنیادی معلومات رقم کردوں۔شاید کسی بھائی کوکسی بھی رنگ میں فائدہ ہوجائے۔

آب وہوا

اس خطہ کی آب وہوا یورپ کے باقی مما لک کی نسبت گرم ہے۔دسمبر میں بھی اس کا درجہ حرارت بیس کے قریب ہوتا ہے جبکہ دیگر مما لک میں خاصی سردی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یورپ بھر سے سیاح سن باتھ کی تلاش میں یہاں سرگردان نظر آتے ہیں۔

لوگ

اس ملک کا رقبہ 550،990 مربع میل ہے۔2018ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی46،72 ملین ہے۔یہاں کے لوگ بہت ملنسار اور خوش اخلاق ہیں۔آپ کسی شخص سے کسی مقام کے بارے میں سوال کریں تو ایسے لگتا ہے۔اس کا دل چاہتا ہے۔کہ وہ سائل کو منزل مقصودت پہنچا کر ہی آئے۔

ایک روز خاکسار ڈیالیسز کے لئے قرطبہ میں ایک ڈیالیسز سنٹر میں گیا۔میری اہلیہ بھی میرے ہمراہ تھی۔وہ میرے ساتھ ڈیالیسز روم میں نہیں جاسکتی تھیں۔اس لئے انہیں انتظار گاہ میں ہی بیٹھنا پڑا۔دیگر مریضوں کے عزیز واقارب بھی اس ہال میں بیٹھے

گپ شپ میں مصروف تھے۔ کیونکہ کافی دیر تک انہیں یہاں بیٹھنا ہوتا ہے۔ اس لئے سامان خوردونوش بھی ساتھ لے آتے ہیں۔ پورے ہال میں میری اہلیہ ہی برقعہ پوش تھیں لیکن قریب بیٹھی ہوئی فیملیوں نے ان کے ساتھ بہت ہی مروت کا برتاو کیا۔ کھانے پینے کی دعوت دی بلکہ اس پر اصرار بھی کیا۔ یہ بات اس قوم کے خوبصورت اخلاق کی مظہر ہے۔ ہرکوئی آپ کو مسکرا کر ملتا ہے اور ہمیشہ ہی اولا کہہ کر آپ کو سلام کرتا ہے۔ اولا سے مراد، انگریزی میں ہیلو ہوتا ہے۔ دوکاندار کسی کو اجنبی جان کر داؤ لگانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔

زبانیں

کہتے ہیں دنیا بھر میں 6500 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان مندارین چینی ہے۔ جسے 1321000000 لوگ بولتے ہیں۔ افریقہ میں تو بسا اوقات قریبی دیہاتوں کی زبانیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ جو قومیں زیادہ سفر کرتی ہیں انہیں زیادہ زبانیں بولنی آتی ہیں۔

سپین میں پانچ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جن میں سے قتلان اور سپینش زیادہ بولی جاتی ہیں سپین کی نیشنل زبان سپینش ہے۔ یہ زبان اٹالین اور فرنچ وغیرہ کے بہت قریب ہے۔ اس میں بعض الفاظ تو گیمبیا کی زبان منڈنگا کے بھی ہیں۔ ممکن جن دنوں پرتگال کی مغربی افریقہ میں حکومت تھی۔ جس کی وجہ سے حکمران کی زبان کے بعض کلمات ابھی تک وہاں رائج ہوں۔

شادی بیاہ

جن دنوں میں پیڈرو آباد نامی گاؤں میں رہائش پزیر تھا۔ مجھے ہفتہ میں تین بار ڈیالیسز کے لئے قریبی مرکزی شہر قرطبہ جانا ہوتا تھا۔ڈیالیسز کے شعبہ کی طرف سے میرے لئے ٹرانسپورٹ کا انتظام تھا۔قواعد کے مطابق ہر مریض کے لئے علاج کی خاطر ٹرانسپورٹ کا انتظام مفت کیا جاتا ہے۔ میرے لئے ایک ٹیکسی کا انتظام کیا گیا۔ڈرائیور ایک خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی جایا کرتا تھا۔لیکن ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان کا شادی کا کوئی پرگرام تھا۔خاتون نے بتایا کہ وہ گیارہ بہن بھائی ہیں لیکن اب ان بہن بھائیوں میں سے اکثر نے شادی نہیں کی۔ اور نہ ان کا کوئی ایسا پروگرام ہے۔اس سے قارئین کرام اندازہ کرسکتے ہیں۔ دورحاضر میں ان کے ہاں شادی کی کیا اہمیت ہے۔ کہتے ہیں کہ آج کل نوجوان نسل شادی کے بندھن سے آزاد ہی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے۔اسے ایک قید تصور کرتی ہے۔

سفری سہولیات

ملک بھر میں نے تیز ٹرینیں چلتی ہیں۔لیکن صرف بڑے شہروں تک سہولت محدود ہے۔بسیں ہر جگہ پہنچتی ہیں۔بسیں خاصی آرام دہ ہیں۔ انٹرنیشنل مسافروں کے لئے ہر بڑے شہر میں ایئرپورٹ موجود ہیں۔

مذہب

یہاں مقامی لوگ مذہبا عیسائی ہیں۔لیکن حقیقت یہ کہ بس نام کے عیسائی ہیں۔

عملاً لا مذہب ہو چکے ہیں۔ ممکن ہے کبھی سیاسی مفاد کی خاطر دین کا چولہ پہن لیں۔ حقیقت میں ان کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

یہاں مسلمانوں کی تعداد خاصی محدود ہے۔ جسے آٹے میں نمک کے برابر کہہ سکتے ہیں۔ مسلمان بے چارے یہاں سخت بے چارگی کی حالت میں ہیں۔ جن کی اکثریت افریقن ممالک یا مراکو سے ہے۔ کچھ پاکستانی بھائی بھی ہیں۔ جو محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے ہیں۔ ان میں سے خاصی تعداد غیر قانونی طور پر یہاں مقیم ہے۔ جو ہر وقت پکڑے جانے کے خوف کا شکار ہیں۔

خوراک

یہاں چاول، مچھلی، دالیں، سبزیاں بہت ملتی ہیں۔ علاوہ ازیں ہر قسم کا گوشت استعمال ہوتا ہے۔ زیتون کا تیل بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ کھانوں میں نمک بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ ممکن ہے اگر ان کے علاقہ میں بھی کوئی کھیوڑہ کا پہاڑی سلسلہ مل جاتا تو یہاں کے لوگ بھی نمک کا زیادہ استعمال کرتے۔ مرچ، تیل اور مصالحوں کا استعمال بہت کم کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں ان کے کھانے مزیدار نہیں لگتے جبکہ یہ لوگ اسے بڑی خوشی سے کھاتے ہیں۔ یہی وجہ کہ ان کے ہاں بہت کم لوگ فربہ ہوتے ہیں۔

سڑکیں

اس ملک کی سڑکیں بہت زبردست ہیں۔ اکثر نئی ہیں۔ پہلے تو اس ملک کی معاشی حالت خاصی کمزور تھی۔ اس لئے اس غربت کا اثر تو ان کی ہر چیز پر تھا۔ لیکن جب سے ان کا

الحاق یورپین یونین سے ہوا۔ان کے حالات خاصے بہتر نظر آ رہے ہیں۔ مجھے بعض خاصے لمبے سفر کرنے کا موقع ملا ہے۔اس سفر میں تکلیف یا تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوا، پہلی بات تو یہ ہے۔ یہاں سڑکوں پر ٹریفک بہت کم ہے، دوسرے سڑکیں بہت عمدہ ہیں، تیسرے سڑک کی اطراف میں سرسبز دلکش کھیتوں کے پُرفریب نظارے آپ کا ساتھ دیتے ہیں۔جس کی وجہ سے آپ کو اپنے سفر کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔

صحت

یہاں کے لوگ باقی یورپین اقوام کی طرح سرخ وسفید رنگت کے ہی ہیں۔اکثر لوگ لمبی عمر پاتے ہیں۔ کہتے ہیں ۔اس کا ایک راز تو زیتون کے تیل کا باقاعدگی سے استعمال ہے۔ہاں ایک اور بات بھی میں نے مشاہدہ کی ہے کہ لوگ بہت تیز چلتے ہیں۔اس ملک میں اکثر علاقے نشیب وفراز ہیں اس لئے عام سفر میں بھی کبھی آپ اُونچائی کی طرف جاتے ہیں پھر تھوڑی دیر میں اترائی شروع ہوجاتی ہے۔جس کی وجہ سے عام آدمی کو تھکاوٹ کا احساس ہوجاتا ہے۔لیکن مقامی لوگ چونکہ بچپن سے اس کے عادی ہیں اس لئے ان کے جسم قوی اور مضبوط ہوجاتے ہیں۔لیکن ان کی نئی نسل غیر صحت مند نظر آتی ہے۔ نوجوان ڈھیلے ڈھالے دکھائی دیتے ہیں۔ناک اور کان میں بالیاں وغیرہ ڈالے نظر آتے ہیں۔چہروں پر نشہ آور اشیاء کے اثرات نظر آتے ہیں۔

سمندر

اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو زرخیز زمینی نعمت کے علاوہ سینکڑوں میل نیلگوں

گہرے سمندر سے بھی نواز رکھا ہے۔جس کے ساحل بہت خوبصورت ہیں۔ گرم موسم کی وجہ سے دنیا بھر سے لاکھوں سیاح گرم پانی اور دھوپ کی تلاش میں ادھر کا رخ کر لیتے ہیں۔ یہاں ساحل بہت زیادہ خوبصورت ہیں۔جن کے قریب عالیشان مکانات تعمیر ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا دنیا بھر سے امیر طبقہ کے لوگوں نے یہاں لطف اندوز ہونے کے لئے آرام دہ مکان تعمیر کر رکھے ہیں۔

معیشت

عام شہری کی آمد ایک ہزار یورو سے کم ہے۔ پاکستانی، ہندوستانی اور دیگر اقوام کے لوگ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے ہیں۔ عام طو پر یہ لوگ بلڈنگ کا کام کرتے ہیں۔پھل توڑتے ہیں یا دیگر مزدوری کے کام کرتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی معاشی تنگدستی کا گلہ کرتا نظر آتا ہے۔ مکان اور ان میں سامان واجبی سا نظر آتا ہے۔جو ان کی حالت زار بیان کر دیتا ہے۔

رہائش

کرائے پر مکان کافی سستے ہیں عام سا مکان دوسو یورو سے لے کر چار سو تک مل جاتا ہے۔ اگر آپ مکان خریدنا چاہتے ہیں سستا مکان تیس ہزار یورو تک بھی مل جاتا ہے۔ لیکن مہنگا مکان جتنا گُڑ ڈالیں گے اتنا ہی میٹھا ہوگا۔

تاریخی مقامات

قرطبہ کی جامع مسجد

کسی دور میں دنیا کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ظالم وقت اور حکمرانوں کی نفرت کی بھینٹ چڑھ کر چرچ میں تبدیل کردی گئی ہے۔اب اس سے اللہ اکبر کی صدا کی بجائے گھنٹوں کی آواز گونجتی ہے۔

الحمراء

یہ ایک بہت ہی خوبصورت محل ہے۔جو غرناطہ میں ہے۔یاد رہے یہ شہر مسلمانوں کا آخری دارالحکومت تھا۔اس کی خستہ حالی دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ کھنڈر بتاتے ہیں کہ عمارت حسین تھی۔تاہم اس کے بنانے والوں کے انجام پر بھی افسوس ہوتا ہے۔

مدینۃ الزہراء

یہ بھی گذشتہ ادوار کی ایک نشانی ہے۔جسے ایک بادشاہ عبدالرحمان الثالث نے تاج محل کی طرح اپنی ملکہ زھراء کی یاد میں تعمیر کی تھی۔جس کی تکمیل پر 25 سال لگے۔ ہزارہا سیاح ہر روز اس کو دیکھنے کے لئے دنیا بھر سے آتے ہیں۔

قلعے

ملک میں بے شمار قلعے پہاڑیوں پر تعمیر نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

اپنی عظمت کا اظہار اور حملہ آوروں کے خوف سے بنائے گئے تھے۔لیکن مع الاسف یہ قلعے بھی ان کے کام نہ آ سکے۔

لاسر گاردا فامیلا

بارسلونا میں ایک معروف چرچ ہے۔ چرچ ۔150 سال سے زیر تعمیر ہے۔ کہتے ہیں یہ بھی دنیا کے عجوبات میں شمار ہوتا ہے۔ابھی بھی اس میں کام جاری ہے۔

اہم شہر

سپین کے شہروں، دیہاتوں اور قصبوں کے ناموں پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام عربی ہیں۔ چند معروف شہروں کے نام کچھ یوں ہیں،میڈرڈ، ارسلونا، ویلینسیا،قرطبہ، غرناطہ، ملاگا، المیریا، المرسیہ، ساویہ اور ابیا مشہور شہر ہیں۔

زراعت

اگر چہ یہاں کی زمین زیادہ تر پتھریلی ہے۔لیکن اس کے باوجود بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ اس میں پھلدار درختوں نے رونق لگادی ہے۔

ویلینسا کے علاقہ میں مالٹے کی حکومت ہے۔ایسے معلوم ہوتا کہ ہم سپین کی بجائے سرگودھا کے علاقہ میں ہین۔میل ہا میل تک مالٹوں کے باغات ہیں۔

قرطبہ وغیرہ کے علاقہ میں زیتون کی بہار ہے۔اسی طرح مرسیہ وغیرہ کی جانب انگور اور انار کی دلکشی نظر آتی ہے۔ الغرض یہ ملک زرعی اعتبار سے امتیازی مقام کا حامل ہے۔اس کی سبزیاں اور پھل دیگر مما لک کے میزوں پر سجتے ہیں۔

آپ کی خدمت میں خاکسار نے حسب توفیق اور حسب ذوق کچھ معلومات رقم کردی ہیں۔امید ہے۔آپ کو کسی حد تک تو سپین کے بارے میں علم ہو گیا ہوگا۔

قرطبہ۔ایک گمشدہ فخر

آج ارض سپین کے بہت ہی تاریخی شہر قرطبہ کو دیکھنے کے لئے رخت سفر باندھے تیار بیٹھے ہیں۔اس شہر کے نام نامی کے بارے میں،اس کرہ ارض پر بسنے والے بیشتر لوگ کسی نہ کسی رنگ میں اس نام سے آشنا اور مانوس ہیں۔ایک مسلمان جب اس شہر کی جانب رخ کرتا ہے تو فطرتی طور پر اس کے قدم بوجھل ہوجاتے ہیں اور اس کے چہرے پر دکھ درد اور یاسیت کے بادل چھا جاتے ہیں۔اور ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے ایک فلم سی چل پڑتی ہے۔جس میں کئی ادوار پر مشتمل مناظر پردہ سکرین پر نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں۔

آپ کو جبل طارق سے، طارق بن زیاد کی وہ تاریخی تقریر کے الفاظ فضا میں گونجتے محسوس ہوتے ہیں۔کہیں آپ کو گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی چھنچھناہٹ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

میرے تخیل میں قرطبہ کی جامع مسجد جسے کسی دور میں دنیا بھر کی بڑی مسجد ہونے کا اعزاز تھا۔اس میں اذان کی صدا گونج رہی ہے اور لوگ عربی لباس میں زیب تن ہیں۔ جن کے قدم جلدی جلدی پکارنے والے کی آواز حی علی الصلوٰۃ کے جواب کے لئے بے اختیار مسجد کی جانب اٹھ رہے ہیں۔تھوڑی ہی دیر میں اقامت کے بعد امام اللہ اکبر کہتا ہے تو پھر ہر جانب صفوں میں اپنے خالق و مالک کے حضور دستہ بستہ راز و نیاز میں لگ جاتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز لیکن بدقسمتی سے اب یہ ایک چرچ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کی اس خطہ میں آمد سے اس قوم کی قسمت کا ستارہ کچھ یوں چمکا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں سے سر بلند ہونے والی شعاؤں سے دُنیا بھر کی مشعلیں روشن ہونا شروع ہو گئیں۔

علم وعرفان کے سمندر

الفضل ما شهدت به الاعداء۔ حقیقی شرف وہ ہوتا ہے کہ جس کا اظہار اغیار کریں۔ علم دوست، مسلمان حکمرانوں کے سایہ عاطفت میں ایسے گوہر نایاب پیدا ہوئے کہ جن کی فکری، علمی، تحقیقی اور قلمی کاوشیں اب امر ہو چکی ہیں۔

اپنے تو کیا اغیار بھی اس بات کے معترف ہیں، کہ مسلمان حکمرانوں کے اس سنہری دور میں جو خدمت بنی نوع انسان کی بھلائی اور فلاح و بہبود کی خاطر منصۂ شہود پر ظاہر ہوئی۔ وہ بس اپنی مثال آپ ہے۔

اس سنہری دور میں دنیا سے بے خبر علماء کہیں فضا کو مسخر کرنے کے لئے سر جوڑے محوِ فکر ہیں، کوئی وقت پر قابو پانے کے لئے گھڑیاں ایجاد کرنے میں مصروف عمل ہے الغرض ہر جانب یہ لوگ مختلف علم و دانش کے خوابوں کو حقیقت کی تعبیر دینے میں شب و روز اپنی اپنی الگ الگ دنیا بسائے بیٹھے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں واقعی اس قوم نے اپنا نام پوری دنیا میں نمایاں اور درخشندہ بنا لیا۔ لیکن الٰہی قانون کے مطابق جب ہم ان شرائط پر پورے نہیں اترتے تو پھر پھر تلك الايام نداولها بين الناس کا الٰہی ارشاد بھی تو سچا ہے۔ جس سے مفر نہیں کیونکہ تھور کی کاشت سے گلاب کی خوشبوئیں تو فضا کو معطر کر کے داد تحسین

نہیں پا سکتی ہیں۔ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔اس افق پر ایک اداس سورج طلوع ہوتا ہے۔اس کے بعد نظارہ بدل جاتا ہے۔مسلمان ارباب اقتدار میں دینی غیرت کا فقدان، محلات کی زیب وزینت میں سامان حرب کی بجائے عیش وعشرت کے سازوسامان، طاؤس ورباب جگہ بنا لیتے ہیں۔ سیف ذوالفقار کی جگہ پازیب کی جھنکار فضا میں گونجنا شروع ہوجاتی ہیں۔ہمیں اپنوں نے لوٹا غیروں میں کہاں دم تھا۔حصول اقتدار کے لئے اندرون خانہ منافقت کی گھناؤنی سازشیں درودیوار کا جزو بن جاتی ہیں۔ پھر نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسے کرتوت قوم کوترقیات کے زینہ سے زوال اور ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں لے جاتی ہیں۔ پھر وہی ہوا جس کا ڈر بلکہ یقین تھا۔

نا قابل یقین حقیقت

صلیبی طاقتوں کے دل ودماغ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کینہ اور تعصب کی جو چنگاری صدیوں سے دبی ہوئی سلگ رہی تھی۔ ہوا لگنے سے، دیکھتے ہی دیکھتے شعلے کی صورت اختیار کر جاتی ہے صدیوں کی عرق ریزی اور جانفشانی سے سینچا ہوا، سرسبز وشاداب گلستان پل بھر میں جل کر خاکستر ہوجاتا ہے۔مسلمانوں پر حملے کئے۔خون کی ایسی ہولی کھیلی گئی ،شہروں کے درودیوار انسانی خون سے سرخ ہو گئے۔ان گنت مسلمانوں کو تہہ تیغ کرکے وحشی فطرت نام نہاد انسانوں نے خون کی پیاس بجھائی ہوگی۔

آج کے علم دوست اور علمی میدان میں ترقی کے دعویداروں نے دنیا کی بہترین علمی درس گاہوں کا پامال کرکے رکھ دیا، کتب کے بیش قیمت خزانے جل کر ابدی نیند سو گئے۔ چند حروف سپرد قرطاس کردئے تا کہ قاری کو کسی حد تک اس گمشدہ فخر کا ادراک

ہو سکے۔ باقی صحیح تصویر تو لیس الخبر کالمعاینۃ کے مصداق ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اپنی آنکھ ہی صحیح تصویر دکھا سکتی ہے۔

ہے دیکھنے کی چیز۔ بارسلونا سپین

گذشتہ دنوں، سپین کے معروف شہر بارسلونا کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس دوران ملنے والی معلومات احباب کرام کے استفادہ کے لئے پیش خدمت ہیں، شاید کسی کے کام آسکیں۔

اس سفر میں جن احباب کرام کی جانب سے محبت، پیار اور تعاون ملا۔ ان کے لئے ممنون احسان ہوں۔ اور ان کے اسماء گرامی اوائل میں ہی رقم کرتا ہوں تا کہ وہ آپ کی دُعا سے محروم نہ رہیں۔ مکرم تنویر بٹ صاحب، مکرم حمید احمد نزیر صاحب، مکرم قیصر احمد صاحب اور مکرم عطاء اللہ صاحب چٹھہ اور ان کے اہل خانہ کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے کمال الفت سے میری میزبانی فرمائی۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

تعارف شہر

بارسلونا سپین کا ایک معروف شہر ہے جو آبادی کے لحاظ سے ملک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ یہ ایک عظیم شہر ہے۔ جو دنیا جہان کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ سیر و سیاحت کے بہت سامان ہیں۔ مجھے ایک دفعہ ایک دوست نے کہا تھا کہ ساری عمر پنجاب بھی گزاری لیکن بمشکل پیٹ بھر کر روٹی کھائی۔ لیکن جب سے کراچی آیا ہوں۔ یہاں روٹی کمانا مشکل نہیں ہے۔ اس لئے کراچی ایک غریب انسان کے لئے مادر مہربان ہے۔

یہی حال اس شہر کا ہے کیونکہ بڑا شہر ہونے کی وجہ سے اس شہر میں سامان روزگار بھی دیہاتی علاقوں کی نسبت قدرے زیادہ ہے۔جس کی وجہ سے لوگ تلاش معاش میں ادھر آ کر ڈیرے لگا رہے ہیں۔

ہر چیز جو خوبیوں کا مرقع ہوتی ہے وہاں اس میں کچھ کمی وبیشی بھی ہوتی ہے۔بہر حال کثرت کو کمیت پر ہی فوقیت ہوتی ہی۔اس لئے اگر کسی لحاظ سے بھی کسی منفی پہلو کا ذکر آئے تو اس کے لئے اس شہر کے چاہنے والوں سے معذرت ہے۔اگر ذکر نہ کیا جائے تو پھر بھی نو وارد کے لئے مطلوبہ معلومات نہ ملنے پر ان سے کچھ زیادتی ہو جاتی ہے۔اس شہر کی آبادی 1.7 ملین ہے۔

یہ قتلان قوم کا اہم مرکز ہے۔جہاں قتلان قوم کے لوگ آئے روز آزادی کے لئے سپینش لوگوں کے ساتھ دست و گریبان رہتے ہیں۔ماضی میں اس شہر کی سرزمین نے ان اقوام کی باہمی قتل وغارت کے نتیجہ میں ہزارہا انسانوں کے خون کو چکھا۔ابھی تک اس نفرت وعناد کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں جو کسی بھی وقت ایک آتش فشاں کا روپ دھار سکتی ہیں۔

اس شہر کا موسم بہت خوبصورت ہے۔سردی اور گرمی قابل برداشت ہیں۔لیکن بسا اوقات موسم تھوڑی ہی دیر میں اپنا موڈ بدل لیتا ہے۔اس لئے مناسب کپڑوں کا اہتمام بہت ضروری ہے۔کہتے ہیں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے اوقات میں فضا خنک آلود ہوتی ہے۔ساحل سمندر پر ہونے کے باعث فضا میں نمی بھی پائی جاتی ہے۔

شہر کا ایک حصہ تو قدیمی تاریخ کا غماز ہے۔بہت سی تعمیرات عربی طرز تعمیر کی منہ بولتی تصاویر ہیں۔باوجود اس کے ان عالیشان عمارات کی آنکھوں کے سامنے بہت سی

نسلوں نے جنم لیا اور اور اپنی اگلی منزل کو سدھار گئیں ،مگر یہ عمارات طوالت عمر کے باوجود رعنائیوں سے بھرپور ہیں۔ جو ہر آنے والے کے لئے دیدہ عبرت کے علاوہ دلچسپی کا سامان پیدا کرتی ہیں۔ان میں سے کئی عمارات تو 1500 سو سال تک قدیم ہیں۔ جو اس دور کے شہنشاہوں کے ذوق جمیل اور فکرو دانش کی قسمیں کھا رہی ہیں۔

چند معروف مقامات

رملہ

ایک معروف سیر گاہ رملہ کہلاتی ہے۔عربی زبان میں رمل ریت کو کہتے ہیں۔اس لئے لگتا ہے کہ یہ نام عرب بادشاہان کی دین ہے۔ جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے۔افریقن اقوام سے تلاش معاش میں آئے ہوئے لوگ سڑکوں کے کنارے زمین پر کپڑے بچھا کر چھوٹی چھوٹی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ پاکستانی اور سکھ پنجابی بھائی سائیکل رکشا چلا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔دیگر اس علاقہ میں بے شمار لوگ ساحل سمندر کے نظارہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

انٹونی گاؤڈی

یہ ایک معروف آرکیٹیکٹ ہے جس نے چند ایک ایسی یادگیر اور عالیشان عمارت تعمیر کی ہیں۔ جو اس شہر کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔کسی بھی سیاح کا سفر انہیں دیکھے بغیر ادھورا رہ جاتا ہے۔ بالفاظ دگر اس کا نام نامی تاریخ سپین میں امر ہو چکا ہے۔

سر گادگا دھا فا میلیا۔(ترجمہ: مقدس خاندان)

یہ ایک چرچ ہے جوگاؤڈی کے ہاتھوں ڈیزائن ہوا ہے۔ جو 150 سال سے زیر تعمیر ہے۔ کہتے ہیں یہ دنیا کا ساتواں عجوبہ ہے۔ اس میں داخلہ کی فیس 27 یورو ہے۔ بقول راوی یہ چرچ 2032 میں پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔

کاسامیلا

اس چرچ کے قرب جوار میں اسی عظیم آرچیٹیکٹ کی فکرو دانش سے تیار شدہ شاہکار کاسامیلا نامی عمارت ہے۔ اس کا لطف دید سے ہے، شنید سے ممکن نہیں۔

قتلان

یہ بارسلونا شہر کا ایک معروف میٹرو اسٹیشن ہے۔ جو شہر کا دل کہلاتا ہے اس علاقہ میں ایک معروف پارک ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ جس کے سایہ عاطفت میں خورد وکلاں کے لئے چڑیا گھر، پارلیمنٹ اور میوزیم جیسی تفریح گاہیں اور دیگر دلچسپی کے سامان ہیں۔ اس کی ایک جانب ایک خوبصورت قوی ھیکل گیٹ بھی ہے۔ کہتے یہ وہی خونی جگہ ہے جہاں پر ہزارہا انسانی جانیں قومی اور نسلی عفریت کی نفرت کا بھینٹ چڑھ گئیں۔ یہ بلند وبالا گیٹ انہی کی یاد میں نوحہ خوانی کرتا نظر آتا ہے۔ لیکن کوئی بھی کسی کے لئے دیدہ عبرت نہ بن پایا۔ وہ عفریت آج بھی قوم ونسل، مذھب اور لسانی بہانے تراش کر کے اپنی خونی پیاس کی سیرابی کا انتظام واہتمام کرتا نظر آتا ہے۔

کہتے ہیں دوسروں کے عبرتناک انجام سے سبق سیکھو، قبل اس کے کہ لوگ تمہارے انجام سے سبق سیکھیں۔

سیر وسیاحت کے لئے سفری سہولیات

یہاں کی ایک خوبصورت اور سستی سفری سہولت سائیکل رکشا کی سواری ہے ۔ ڈیڑھ گھنٹے کے چالیس یورو میں آپ کافی اہم اور تاریخی مقامات دیکھ سکتے ہیں ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے چلانے والے اکثر و بیشتر پاکستانی اور ہندوستانی ہوتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ترجمانی کے علاوہ فوٹو گرافی میں بھی ہم جیسے پردیسیوں کے لئے ممد ومعاون بن سکتے ہیں ۔

میٹرو

اس شہر کے باسیوں کے لئے حکومت نے شہر بھر کے پیٹ میں آنتوں کی طرح ٹرین کی پٹڑیوں کا جال بچھا رکھا ہے ۔ جو آپ کو کہیں بھی مطلوبہ منزل مقصود تک تھوڑے ہی وقت میں پہنچا دیتی ہے ۔ ایک سٹیشن سے اگلے سٹیشن تک پہنچنے کے لئے صرف ایک منٹ درکار ہوتا ہے ۔ اور ہر دو سے تین منٹ تک اگلی گاڑی آپ کو دعوت سفر دے رہی ہوتی ہے ۔ لیکن بسا اوقات ٹرین میں اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ آپ منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں اوپر کی جانب منہ کر کے سانس لے سکتے ہیں ۔ اس دوران آپ کے ساز وسامان کی دیکھ بھال آپ کے قریب ترین موجود جیب تراش کر رہے ہوتے ہیں ۔ اس لئے اس شہر کے بارے میں ہر خاص و عام کی ہدایت یہی ہوتی کہ اپنے سامان کی حفاظت خود کریں ۔

کار مالکان کی بے بسی

اس شہر میں کار پارک کا بہت زیادہ فقدان ہے ۔ اکثر احباب اپنے گھر سے کہیں

دور اپنی کار کو پارک کر کے خود بے کار ہو جاتے ہیں۔ ہفتہ بھر کے بعد وہاں جا کر اپنی کار کی موجودگی کا پتہ کر لیتے ہیں اگر حسن اتفاق سے گاڑی صحیح و سالم موجود ہو تو کار سے گرد و غبار صاف کر کے ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر واپس گھر آ جاتے ہیں۔

اسی پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

حرف آخر

زندگی اک حادثہ ہے اور کیسا حادثہ
موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں

اے میرے قادر و توانا خدا، میری یہ کاوش قبول فرما۔ میرے گناہوں، کمزوریوں اور خطاؤں سے صرف نظر فرما۔ اپنی ستاری فرما، مغفرت کی چادر میں لپیٹ اور انجام بخیر فرما۔ آمین اللّٰھم آمین

ارض سپین سے تائید الٰہی کے چند دلچسپ واقعات

خاکسار کو حضورِ انور نے ازراہِ شفقت تبلیغی مشن پر سپین جانے کا ارشاد فرمایا۔ تعمیلِ ارشاد میں سپین چلا گیا۔ ایک خوف سا تھا کہ نامعلوم دورانِ سفر کوئی دشواری نہ پیش آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور پیارے آقا حضورِ انور ایّدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور دُعا کے طفیل میں نے تقریباً دو سال کا عرصہ وہاں گزارا۔ اس دوران کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی۔ میں خود حیران ہوتا ہوں کہ لندن میں تو کوئی نہ کوئی مسئلہ رہتا تھا۔ لیکن قیامِ سپین کے دوران اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر شفا دے دی۔ میں نے پورا پورا دن سفر کیا اور بہت

مصروف دن بسر کئے۔ الحمدللہ

سپین میں ابتدائی روابط

ابتدائی ارشاد موصول ہوا کہ ایک ماہ کے لئے سپین جا کر گیمبیا اور سینیگال کے احمدی اور غیر از جماعت بھائیوں میں تبلیغ وتربیت کا فریضہ سرانجام دوں۔ اس وقت مجھے وہاں کے حالات کا کوئی ادراک نہیں تھا۔

خاکسار نے سپین میں افریقن احمدی بھائیوں کے بارے میں سپین مشن سے رابطہ قائم کیا۔ مجھے بتایا گیا۔ اس وقت سپین میں چار دوست گھانین، تین گیمبین اور ایک سینیگال سے ہیں۔ میں نے ان دوستوں کے فون نمبرز حاصل کئے اور لندن سے بذریعہ فون رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کردی۔ جس کے نتیجہ میں ان سے تعارف ہو گیا۔ ان کو میں نے اپنی آمد کے بارے میں بتایا اور ان سے ہرممکنہ تعاون کی درخواست کی۔

میں نے لندن میں چند گیمبیئن احمدی حباب سے رابطہ قائم کر کے سپین میں احمدی بھائیوں کے بارے میں استفسار کیا۔ لیکن کوئی معلومات نہ ملیں۔

ایک دوست نے بتایا کہ گیمبیا جماعت کے سابق صدر خدام الاحمدیہ مکرّم طاہر طورے صاحب اس سلسلہ میں مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا۔ چند بار فون کرنے کے بعد ان سے رابطہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے انہوں نے دو دوستوں کے بارے میں بتادیا۔ سپین پہنچ کر ان افراد سے بات چیت شروع کی گئی۔ اللہ کے فضل سے سب پرانے احمدی تھے۔ میں سب کو گیمبیا سے ہی جانتا تھا۔ بہت خوش ہوئے۔

تائیدِ الٰہی کا ایک خوبصورت واقعہ

گیمبیا میں فرافینی نامی ایک قصبہ ہے۔ وہاں سے مکرم ڈاکٹر فرید احمد صاحب کا کسی کام سے مجھے فون آ گیا۔ دورانِ گفتگو میں نے انہیں بتایا کہ ان ایّام میں سپین میں ہوں۔ اگر آپ کے علاقہ سے کوئی احمدی بھائی سپین میں ہو تو، مجھے اس کا فون نمبر ارسال کر دیں۔

اسی روز شام کو ان کی طرف سے پیغام ملا کہ ایک خادم نے بتایا ہے کہ اس کا ایک چچا زاد سپین میں ہے اور اس کا نام لامن جانج ہے۔ اس کا فون نمبر بھی بھیج دیا۔ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔ میں نے فوری رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ چند بار اس نمبر پر رابطہ کیا گیا۔ مگر جواب ندارد۔ مایوسی ہوئی۔ لیکن بعد میں، میں نے وائس میسج ریکارڈ کر کے بذریعہ وٹس ایپ بھیجا اور اپنے بارے میں بتایا۔ تھوڑی دیر میں اس کی طرف سے فون آ گیا۔ تعارف کے بعد علم ہوا کہ میں تو اس کو بچپن سے جانتا ہوں۔ اس کا والد کسٹم میں ڈرائیور تھا۔ میرا بہت مہربان دوست تھا۔ اس کو میں نے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا۔ اس نوجوان کا اس وقت تک جماعت سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ بہت خوش ہوا اور جماعت سے رابطہ قائم کرنے کا وعدہ کیا۔

میں نے اس سے کسی اور احمدی کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ میرا اپنا بھائی بھی یہاں ایک دوسرے شہر میں رہتا ہے۔ جس کا نام یوسف جانج ہے۔ میں نے اس کا نمبر لے کر اس سے رابطہ کیا۔ وہ بھی بفضلِ تعالیٰ پیدائشی احمدی تھا۔ وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اس طرح چراغ سے چراغ جلتے گئے۔

وہی تو مسبب الاسباب ہے

ایک روز خاکسار عزیزم قاصد احمد مربی سلسلہ سپین کے ہمراہ مکرم امیر صاحب کے ارشاد پر ملاگا کے علاقہ میں گیا۔ ہم لوگ کافی دیر افریقن بھائیوں کی تلاش میں سر گرداں رہے لیکن صرف چند ایک کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ اس ناکامی کی وجہ سے دلبرداشتہ ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ اتنے میں ایک سینیگالی احمد باہ نامی دوست سے ملاقات ہوگئی۔

اس سے پوچھا کہ افریقن لوگ کس علاقہ میں رہتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ میں تو ماربیا نامی شہر سے آیا ہوں۔ یہاں کا مجھ علم نہیں ہے۔ ہاں ماربیا شہر میں بہت سے افریقن دوست ساحلِ سمندر پر اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ نیز اس نے بتایا، ماربیا یہاں سے چالیس منٹ کی مسافت پر ہے۔

ماربیا کا نام میں نے سن رکھا تھا۔ دراصل چند روز قبل میں نے گیمبین احمدیوں سے وٹس ایپ پر درخواست کی تھی کہ مجھے اپنے اپنے شہر کا نام ٹیکسٹ کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں کچھ احباب نے اپنے ایڈریس مجھے بھیج دئے۔ ان میں ایک نام ماربیا بھی تھا۔ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ گیمبیا کے ایک دوست مکرم کتابو کاسما صاحب اسی شہر میں رہتے ہیں۔ میں نے انہیں فون کیا۔ الحمد للہ کہ انہوں نے فون اٹھالیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں تو ملاگا میں ہوں۔ اگر ممکن ہو تو آپ کے پاس آجاؤں۔ کہنے لگے آج میری رخصت ہے اور میں گھر پر ہی ہوں۔ اس لئے آجائیں۔

میں نے قاصد صاحب سے کہا، ماربیا چلتے ہیں۔ اس کے بعد ہم جلد ہی ماربیا

میں تھے۔ کتابو صاحب نے بتایا کہ آج میری جاب سے رخصت ہے۔مکرم کاسما صاحب بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے آج میں بہت خوش ہوں کہ میرے پاس ہمارے مشنری آئے ہیں۔ ان کے ساتھ ہم لوگ تبلیغ کے لئے نکل گئے۔ اللہ کے فضل سے بیس کے قریب سینیگالی افراد سے ملاقات ہوئی اوران کے فون نمبرز رابطہ کے لئے مل گئے۔

گمشدہ احمدی بھائی

ایک روز میں نے گیمبیا میں ایک مربّی صاحب کوفون کر کے ان سے استفسار کیا۔ کیا وہ سپین میں کسی احمدی یا غیراحمدی دوست کے بارے میں جانتے ہیں۔ کہنے لگے۔ مجھے توکوئی علم نہیں ہے۔لیکن ان کے قریب ہی بیٹھے ایک نوجوان نے بتایا کہ میرا چچا زاد الحاجی نیابالی سپین میں رہتا ہے۔ میری درخواست پراس نے اپنے کزن کا فون نمبر بھی بھیج دیا۔ میں نے اس نوجوان سے بذریعہ وٹس ایپ رابطہ قائم کیا کچھ ہی دیر بعد موصوف کا جواب آ گیا۔ بات چیت کر کے بہت خوش ہوا۔اس نے بتایا کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی اور چار بچے بھی ہیں۔

یہ دوست بارسلونا نامی معروف شہر سے دو گھنٹے کی مسافت پر واقع جیرونا نامی قصبہ میں عرصہ دس سال سے مقیم ہیں۔لیکن بوجوہ ان کا بھی جماعت سے رابطہ نہیں تھا۔انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔اور جماعت سے رابطہ قائم کرنے کا وعدہ کیا۔

ایک یادگار تصویر

اگلے روز انہوں نے مجھے 1996ء میں خاکسار کے ساتھ لی گئی تصویر بھی ارسال کی۔جس میں جلسہ سالانہ گیمبیا کے بعد مَیں اور نیابالی صاحب مسجد بیت السلام میں کھڑے

ہیں۔ میں ان کی ناقابل بیان محبت اور یادداشت پر حیران ہو کر رہ گیا۔ یہ تصویر 2 سال پہلے کی تھی۔

میں نے الحاجی نیابالی صاحب سے کسی دیگر گیمبیئن احمدی دوست کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے بتایا۔اس علاقہ میں تین اور گیمبیئن احمدی دوست ہیں لیکن نہ معلوم آج کل کس گاؤں میں کام کرتے ہیں۔ بعد میں انہوں نے ایک دوست کا نمبر بھیج دیا۔اس سے بھی الحمدللہ رابطہ قائم ہو گیا۔

نئی جماعت کا قیام

ویلینسیا میں مبلغین کرام کا ریفریشر کورس تھا۔مکرم امیر صاحب سپین اور نائب امیر صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ان کو جب میں نے یہ تفصیل بتائی تو بہت خوش ہوئے۔مکرم امیر صاحب نے نیابالی صاحب کے ساتھ فون پر بات چیت بھی کی۔امیر صاحب نے نائب امیر صاحب کو فرمایا کہ اس علاقہ میں تو ایک اور پاکستانی احمدی بزرگ بھی رہتے ہیں۔اس لئے وہاں پر جماعت قائم کریں اور نماز سنٹر کا بھی انتظام فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

اہل بنی اسرائیل سے رابطہ

تقریباً تیس سال قبل کی بات ہے۔گیمبیا کے دارالحکومت بانجول کے فیری ٹرمینل پر ایک احمدی مزدوری کیا کرتا تھا۔باقاعدہ ہماری مسجد میں آکر نماز جمعہ ادا کرتا۔ بہت ہی پیارا اور مخلص انسان تھا۔ایک روز اس نے مجھے بتایا کہ میرے گاؤں کے سب لوگ احمدی ہیں۔اگر آپ وہاں جائیں تو بہت اچھا ہوگا۔وہ گاؤں سینیگال اور مالی کی

سرحد کے قریب تھا جو کہ بانجول سے بہت دور تھا۔اس دور میں ذرائع نقل وحمل اور مواصلات کی سہولیات نا قابلِ بیان حد تک مشکل تھیں۔میں نے ایک معلّم مکرم محمد سنیا گو صاحب کو تیار کیا اور مختلف سواریوں پر سوار ہوتے ہوئے ایک لمبا سفر طے کر کے وہاں پہنچ گئے۔گاؤں کے امام صاحب نے ہمارا استقبال کیا۔ہم نے انہیں اپنا تعارف کرایا اور اس مزدور دوست کے بارے میں بھی بتایا۔امام صاحب نے بتایا ہم لوگ احمدی نہیں ہیں بلکہ ہم اہلِ سنّت ہیں۔ہم ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور تعویذ وغیرہ بھی نہیں باندھتے اس لئے ممکن ہے اس وجہ سے اسے یہ احساس پیدا ہوا ہو کہ ہم بھی احمدی ہیں۔الغرض امام صاحب شریف النفس آدمی تھے۔اس نے ہمارا بہت احترام کیا۔حسبِ توفیق ہماری خاطر مدارت کی اور رات کو جلسے کا بھی اہتمام کیا۔جس میں ہم نے حسبِ استطاعت پیغام حق پہنچایا۔لیکن کسی نے بھی بیعت نہ کی۔دودن کے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد بظاہر خالی ہاتھ واپس آ گئے۔بہرحال اس سرزمین پر حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی آواز تو سب کے کانوں میں پڑ گئی۔

تیس سال بعد اہل بنی اسرائیل سے ملاقات

دسمبر کے اواخر کی بات ہے۔ویلینسیا میں جماعتِ احمدیہ کی مسجد بیت الرحمان میں نمازِ جمعہ کے لئے ایک افریقن دوست تشریف لائے ہوئے تھے۔میں ان سے ملا۔معلوم ہوا کہ وہ تو سینیگال سے ہیں۔احبابِ جماعت نے بتایا کہ یہ افریقن دوست مسجد کی تعمیر کے دوران یہاں مزدوری کیا کرتا تھا۔اس لئے کبھی کبھار ادھر آ جاتا ہے۔میں نے اس سے بات چیت شروع کی۔اس نے بتایا کہ وہ سینیگال اور مالی کی سرحد پر واقع بنی

اسرائیل نامی گاؤں سے ہے۔اس پر مجھے تیس سالہ پرانا واقعہ یاد آ گیا۔

اس دوست کو جس کا نام بمبا سیسے ہے۔ میں نے اپنے سفر کی ساری تفصیل بتائی اوران کے گاؤں کا نین نقشہ بھی بیان کیا۔اس پر وہ بہت خوش ہوئے۔دوستانہ ماحول پیدا ہوگیا۔میں نے ان سے ان کا فون نمبر لے لیا اور اپنا نمبر بھی انہیں دے دیا تا کہ ہمارا باہمی رابطہ قائم رہے۔اب میں لندن واپس آ گیا ہوں۔اب بھی اللہ کے فضل سے اس کا فون آتا ہے۔ممکن ہے۔اللہ کرے۔اس آدمی مسٹر بمبا سیسے کے ذریعہ سے ہی بنی اسرائیل گاؤں میں احمدیت کا پودا لگ جائے اور دیر آید درست آید کے محاورہ کی عملی تعبیر مل جائے۔آمین۔

جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

ایک روز ویلینسا کے علاقہ میں، مَیں اور میری اہلیہ محترمہ دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں گئے۔کافی دیر تک گھومتے رہے،کوئی افریقن دوست نہ ملا۔تھک کر ایک جانب بیٹھ گئے۔اسی دوران سینیگال سے ایک دوست کا فون آ گیا۔خیر خیریت دریافت کی۔ میں نے انہیں بتایا کہ آجکل میں سپین میں تبلیغ کے سلسلہ میں آیا ہوا ہوں۔اس پر وہ دوست کہنے لگے۔میرا ابھی ایک عزیز دوست سپین میں رہتا ہے۔آپ اس سے رابطہ کریں اور کہنے لگے میں ابھی آپ کو اس کا نمبر بتاتا ہوں۔آپ اس سے رابطہ کرلیں۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے،انھوں نے متعلقہ آدمی کا نمبر مجھے دے دیا۔جس کا نام الامامی دابو تھا۔ میں نے اسے فون کیا۔جو اس نے اٹھالیا۔

اس دوران اس سینیگالی دوست نے اپنے دوست سے رابطہ قائم کر کے میرے

بارے میں تفصیل سے بتا دیا۔ میں نے جب اس دوست کو فون کیا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اس طرح باہمی گفت وشنید کا سلسلہ چل نکلا۔ یہ سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا۔ کچھ دنوں میں ہی جماعت احمدیہ سپین کا سالانہ جلسہ منعقد ہونے والا تھا۔ میں نے الامامی صاحب کو جلسہ میں شرکت کے لئے دعوت دی جو موصوف نے بخوشی قبول کرلی۔ اگرچہ وہ دوست مرکزِ جماعت سپین پیدروآباد سے قریباً ایک ہزار کلومیٹر دور، بارسلونا شہر کے مضافات میں رہتے ہیں۔ بہر حال تیار ہوگئے۔ وین کے ذریعہ طویل اور تھکا دینے والے سفر پر، اپنے پانچ دیگر دوستوں کے ہمراہ جلسہ میں شرکت کے لئے چل نکلے۔ طویل سفر کی وجہ سے ایک رات ویلینسیا کے مشن ہاؤس میں گزاری۔ اللہ کے فضل سے ویلینسیا شہر کی جماعتِ احمدیہ بہت ہی مخلص ہے۔ یہاں خوبصورت مسجد بیت الرحمان اور مشن ہاؤس بھی ہے۔ احباب جماعت ویلینسیا کی مہمان نوازی اور دلداری نے بھی ان معزز مہمانوں کے دلوں میں جماعت کی محبت کی شمع روشن کردی۔ پھر جلسہ کے روحانی ماحول سے یہ خدائی مہمان اس قدر متاثر ہوئے کہ واپس جانے سے قبل انہوں نے برضاورغبت اور شرح صدر کے ساتھ اپنے دیگر پانچ دوستوں کے ساتھ بیعت کر کے اپنے آپ کو امام الزّماں کی غلامی میں دے دیا ۔الحمدللہ۔ثم الحمدللہ جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار۔

معجزانہ اتفاق

ویلینسا شہر میں ایک دوست مکرم سلمان صاحب نے مجھے ایک سینیگالی دوست ابراھیم صاحب کا فون نمبر دیا ایک دفعہ ان کے ساتھ فون پر بات ہوئی اچھے علم دوست ہیں۔ ماشاءاللہ بڑی شُستگی اور روانی سے عربی بولتے ہیں۔

میں نے سپین میں نئے بننے والے رابطوں کے لئے ایک وٹس ایپ گروپ بنایا۔ میں نے اس دوست کو بھی وٹس ایپ گروپ میں تبلیغ کی نیت سے ڈال لیا۔لیکن اگلے روز ہی انہوں نے گروپ کو خدا حافظ کہہ دیا۔ میں نے سوچا کہ مولوی آدمی ہیں۔ممکن ہے جماعت کے مخالف بھی ہوں۔اس لئے احتیاطاً ان سے رابطہ قائم نہ کیا۔اس طرح کئی مہینے گزر گئے۔

ایک روز خاکسار ویلینسیا شہر میں تبلیغ کی خاطر گیا۔ مجھے ایک دوست نے بتایا کہ آپ ہر سفر کے لئے نئی ٹکٹ نہ خریدیں بلکہ بہتر ہے کہ آپ بس پر سوار ہونے کے لئے ٹکٹیں اکٹھی لے لیں،تو یہ سستی پڑیں گی۔ایک راہگیر سے ان ٹکٹوں کے بارے میں استفسار کیا تو علم ہوا کہ یہ بس ٹکٹ تمبا کو کی دوکانوں سے ملتے ہیں۔کافی تلاش کے بعد منزلِ مقصود مل گئی۔ صاحبِ دوکان سے ٹکٹوں کے بارے میں پوچھا۔اتفاق سے یار من ترکی است و من ترکی نہ دانم۔کافی کوشش کی کہ اسے بتا سکوں،اشارے کنائے سب فیل ہو گئے۔ میں نے مایوسی کے ساتھ اپنے ماحول میں نظر دوڑائی۔تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک افریقن دوست کھڑے تھے۔ میں نے اسے پوچھا کیا آپ کو فرانسیسی آتی ہے۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے اسے بتایا کہ میری ترجمانی کر دیں،الحمدللہ ان کی معاونت سے میرا مسئلہ حل ہو گیا۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کیا آپ سینیگال سے ہیں؟ کہنے لگے میرا نام ابراھیم ہے۔ مجھے یہ نام قدرے مانوس لگا۔میں نے یونہی اندھیرے میں تیر چلایا اور کہا کہ تم سلمان صاحب کو جانتے ہو؟اس نے بتایا جی میں اسے خوب جانتا ہوں۔ میں نے بتایا کہ وہ میرا بھی دوست ہے۔اس پر کہنے لگا کہ آپ لندن سے آئے ہیں۔میں نے بتایا

جی!اس پر وہ بڑے تپاک سے مجھے ملا۔ میں نے اسے درخواست کی اگر ممکن ہو تو کہیں بیٹھ کر ایک کپ چائے ہو جائے۔وہ بخوشی راضی ہو گئے۔جس پر ہم ایک قریبی ریستوراں میں بیٹھ گئے۔میں نے کافی دیر تک اس کو جماعت کے بارے میں بتایا جس کو اس نے بڑی فراخدلی اور انہماک سے سنا۔الحمدللہ

اس کے بعد ہمارا ایک باہمی رشتہ بن گیا۔اکثر فون پر بات ہونے لگی۔ایک دن ہم لوگ اس کے گھر گئے۔اس نے ہماری حسبِ توفیق خاطر مدارت کی۔جماعت کے بارے میں تفصیلی باتیں ہوئیں۔جس کے بعد اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب خطبہ الہامیہ بھی دی گئی۔جس کے مطالعہ کے بعد وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عاشق بن گیا ہے۔اب جماعت کی صداقت کا برملا اظہار کرتا ہے۔

گذشتہ دنوں ایک مذھبی جلسہ میں اس نے جماعتی وفد کو بھی دعوت دی۔اور جملہ حاضرین کے سامنے جماعت احمدیہ کا خوبصورت الفاظ میں تعارف پیش کیا۔جس کے بعد خاکسار کے ہمراہ موجود مقامی مربّی صاحب نے بھی جلسہ سے خطاب کیا اور تبلیغی فرض ادا کیا۔

سینیگال سے سپین میں دعوت الی اللہ

ایک دن مکرّم سلمان احمد صاحب (ایک مخلص اور پُرجوش داعی اللہ) دو افریقن دوستوں کے ہمراہ مسجد احمدیہ ویلینسیا میں تشریف لائے۔یہ دونوں دوست سینیگال سے تھے۔ان کا علاقہ سینیگال اور موریطانیہ کی حدود میں واقع ہے۔ان سے ملاقات ہوئی۔مختلف امور پر دوستانہ ماحول میں بات چیت کر رہے تھے۔اسی دوران سینیگال سے مبلّغ

سلسلہ مکرم حفاظت نوید صاحب کا فون آ گیا۔انہوں نے بتایا کہ سینیگال کے دو معلمین مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔عجیب اتفاق ہے کہ مکرم حفاظت نوید صاحب اور دونوں معلّمین ان دوافریقن بھائیوں کے علاقہ سے ہی تھے۔اور اسی علاقہ میں اس وقت موجود تھے۔ان مہمانوں کی معلّمین کے ساتھ وڈیو کال کے ذریعہ سے بات چیت کرائی گئی۔جس کا اللہ کے فضل سے ان مہمانوں پر بہت نیک اثر ہوا۔الحمدللہ

مکرم صدر صاحب کی حیرانگی

ایک روز مقامی صدر جماعت مکرم شمریز احمد صاحب کے ساتھ ویلینسیا شہر میں گئے۔میں نے انہیں درخواست کی ایسے علاقہ میں چلتے ہیں جہاں کوئی سینیگالی ریستوراں ہو۔وہاں لوگ ضرور کھانا کھانے آئیں گے۔اس طرح ان سے بات چیت کا رستہ کھل جائے گا۔میں نے چند سینیگالیوں سے معلوم کیا کہ کیا یہاں کوئی سینیگالی ریسٹورنٹ ہے۔انہوں نے بتایا کہ ویلینسیا کے ایک محلہ پاٹریا یکس میں ایک سینیگالی ریسٹورنٹ ہے۔ہم لوگ ادھر چلے گئے۔ہمارا تجربہ کامیاب ہوگیا۔اللہ کے فضل سے بہت سے افریقن بھائیوں سے رابطے بن گئے۔

زبان تبلیغ کے لئے ایک اہم ہتھیار

خاکسار کو منڈنگا،فولا، وولف،فرانسیسی اور عربی زبان سے آشنائی ہے جس کی وجہ سے کسی بھی آدمی سے رابطہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک کے ساتھ ایک فوری تعلق بن جاتا ہے۔جس کے نتیجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے روابط بن گئے۔

ہم لوگ جسے بھی ملتے۔ میں اس سے سینیگالی زبان وولف،فولا، منڈنگا یا فرانسیسی زبان میں بات چیت کرتا۔تو وہ بڑے حیران ہوتے۔ چونکہ خاکسار نے ایک رُبع صدی سینیگال میں گزاری ہے جس کی وجہ سے ملک بھر کے بیشتر علاقوں اور شخصیات کو جانتا ہوں۔جیسے ہی ان کے حوالے سے بات چیت کی جاتی۔ مدِّ مقابل فوری طور پر دل کا دروازہ وا کر دیتا۔اس طرح کچھ دیر بات چیت کر کے ان سے ان کا فون نمبر لے لیتے اور اپنا فون نمبر انہیں دے دیتے۔

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہ

سینیگال سے ایک دوست الفا عمر جالو صاحب ہیں۔انہوں نے کافی سال قبل مربّیٔ سلسلہ ملک طارق احمد صاحب کے ذریعہ بیعت کی تھی۔ میں نے الفا عمر کے سے لندن سے رابطہ قائم کیا۔وہاں پہنچ کر انہیں چند مرتبہ فون کیا مگر انہوں نے فون نہیں اٹھایا۔ جس سے بڑی مایوسی ہوئی۔لیکن آخری دنوں میں ان کا پیغام آیا۔بات چیت ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ان کا فون خراب تھا۔اس لئے رابطہ نہیں ہوسکا۔اسی روز میں نے مکرّم مربّی کلیم احمد صاحب سے درخواست کی کہ الفا عمر صاحب کو مل کر آتے ہیں۔خیر،ان کے پاس گئے۔ بہت خوش ہوئے۔ میں سینیگال میں ان کے علاقہ سے خوب واقف ہوں۔ان کے ساتھ ان کے علاقہ کی باتیں ہوئیں۔اس لئے بہت خوش ہوئے۔انہوں نے وعدہ کیا کہ اب انشاءاللہ وہ جماعت سے رابطہ رکھیں گے۔

خاموش تبلیغ

ایک گیمبین دوست مکرّم فِلِی ڈانسو صاحب سپین میں بنی کارلو نامی قصبہ میں رہتے

ہیں۔انکے ساتھ ٹیلیفون پر رابطہ ہوا۔ بہت خوش ہوئے۔انہوں نے وعدہ کیا کہ اتوار کے روز مجھے ملنے ویلینسیا آئیں گے لیکن کسی وجہ سے نہ آسکے۔ میں نے مکرّم کلیم احمد صاحب مربّی سلسلہ سے درخواست کی کہ ان کے پاس چلتے ہیں۔اس طرح ہم دونوں اس قصبہ میں پہنچ گئے۔وہاں پر پانچ احمدی دوست رہتے ہیں۔جن میں سے تین پاکستانی ہیں۔ایک کا تعلق قادیان سے اورایک فلی ڈانسو صاحب جو گیمبیا سے ہیں۔چار احمدی دوست ایک گھر میں دیگر کے ساتھ رہتے ہیں۔ایک دوست حبیب اللہ صاحب ایک دوسرے مکان میں دیگر پاکستانی غیر از جماعت احباب کے ساتھ مقیم ہیں۔سب سے ملاقات ہوئی۔ ہمارے کھانے کا انتظام مکرم حبیب اللہ صاحب نے کیا ہوا تھا۔لیکن معلوم یہ ہورہا تھا کہ کھانے کی تیاری اور خدمت میں غیر از جماعت دوست ہی کام کررہے تھے۔

ہم نے نمازِ ظہر وعصر ادا کرنی تھی۔مکرم حبیب اللہ صاحب نے اپنے مکان کے ڈرائنگ روم میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا۔سب غیر از جماعت دوست ادھر ہی تھے۔کسی نے کسی قسم کا اعتراض نہ کیا بلکہ وہ ہمیں نماز پڑھتا دیکھتے رہے بلکہ ایک دوست نے غیر از جماعت دوستوں کو یہ بھی بتایا کہ یہ مہمان ہمارے مربّیِ سلسلہ ہیں۔جنہیں ایک لمبا عرصہ افریقہ میں خدمتِ دین کی توفیق ملی ہے۔اس سے ان دوستوں کی بلند حوصلگی اور باہمی حسنِ سلوک کا علم ہوتا ہے۔اس طرح نماز کی ادائیگی کے ساتھ ایک قسم کی خاموش اور عملی تبلیغ بھی ہوگئی۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

کیا آپ اسے اتفاق ہی کہیں گے

ایک روز خاکسار مکرّم مربّی کلیم احمد صاحب کے ہمراہ ایک قریبی مارکیٹ میں

بغرضِ تبلیغ گیا۔سپین میں یہ طریق ہے کہ ہر روز کسی نہ کسی گاؤں میں مارکیٹ لگتی ہے۔جس میں ہر کوئی بنیادی ضروریات زندگی خرید سکتا ہے۔اکثر لوگ ٹیبل لگا کر اپنا سامان بیچتے ہیں۔افریقن لوگ تو زمین پر کپڑا ڈال کر اسی پر اپنا سازوسامان سجا لیتے ہیں۔جب ہم مارکیٹ پہنچے۔میں بیماری کی وجہ سے جلد ہی تھک گیا۔ادھر ایک افریقن دوست کے سٹال کے قریب سے گزرے۔اس کے پاس ایک کرسی پڑی تھی۔میں نے اسے درخواست کی کہ اگر اجازت دیں تو میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کی کرسی پر ستا لوں۔اس دوست نے بخوشی مجھے کرسی پیش کر دی۔میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔اس نے بتایا کہ اس کا نام ابراھیم کاہ ہے اور وہ سینیگال سے ہے۔میں نے اس کے ساتھ ان کی زبان میں بات چیت کرنی شروع کر دی جس پر وہ بہت حیران ہوا۔میں نے اسے بتایا کہ میں نے سینیگال میں ایک لمبا عرصہ گزارا ہے۔اس پر وہ بہت خوش ہوئے۔میں نے ان سے ان کا فون نمبر لے لیا اور اپنا نمبر دے دیا۔

اسکے بعد میں واپس لندن آ گیا۔کچھ عرصہ کے بعد ایک روز مکرّم کلیم احمد صاحب اس مارکیٹ میں گئے۔انکی ملاقات ابراھیم صاحب سے ہوگئی، علیک سلیک ہوئی۔اس دوست نے انہیں پوچھا کہ وہ بابا جی کدھر ہیں۔کلیم صاحب نے بتایا وہ واپس لندن چلے گئے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد میں واپس سپین گیا۔مجلس انصاراللہ ویلینسیا نے ایک پروگرام ترتیب دیا۔میں نے درخواست کی کہ ہمیں افریقن رابطوں کو بھی دعوت دینی چاہیے۔میں نے ابراھیم صاحب کو فون کیا اور انہیں ہمارے پروگرام میں شمولیت کی درخواست کی۔اس پر کہنے لگے معذرت خواہ ہوں کیونکہ آج ہماری افریقن کمیونٹی کا بھی اجلاس ہے اور انہوں

نے یہ بھی کہا کہ اگر ممکن ہوتو میں ان کی میٹنگ میں شرکت کروں۔ میں تو ایک ایک آدمی کے لیے روزانہ سفر کرتا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ راستہ کھول رہا تھا۔

میں نے انہیں بتایا میں انشاء اللہ حاضر ہوجاؤں گا۔ انصاراللہ کے پروگرام سے فارغ ہوکر خاکسار مکرّم کلیم صاحب اور مکرّم سلمان طاہر صاحب کے ہمراہ ان کے ہاں پہنچ گیا۔ وہاں پر پچاس سے زائد لوگ ہمارے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ ہماری خوب آؤ بھگت کی اور مجھے تقریر کی دعوت دی۔ سپین میں اتنی بڑی تعداد میں اجتماعی میٹنگ کا یہ پہلا موقع تھا۔ جس میں سب افریقن دوست تھے۔ یہ سب کچھ معجزانہ ہوا۔ اسکے بعد یہ رشتہ مستحکم ہوتا چلا گیا۔ کئی دفعہ ان کے مرکز میں جانے کا اتفاق ہوا۔ انہیں بھی مسجد میں آنے کی دعوت دی گئی۔ اسی دوران جلسہ سالانہ جرمنی آ گیا۔ میں نے کچھ دوستوں کو حضورِ انور کی اجازت سے جلسہ جرمنی میں شرکت کی دعوت دی۔ وہ راضی ہوگئے۔ جلسہ کے روحانی ماحول نے ان کی سعید فطرت پر انقلابی اثر کیا اور وہ جماعت کے بہت قریب آ گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد جلسہ سالانہ سپین آ گیا۔ انہیں جلسہ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ جلسہ میں شریک ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی گرہ کھول دی اور انہوں نے شرح صدر کے ساتھ بیعت کر لی۔ الحمد للہ اب ایک فعال داعی الی اللہ بن چکے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغ قُلُوبَنَا بَعدَ اِذ ھَدیتَنَا وَھَب لَنَا مِن لَّدُنك رَحمَۃً

أَنَّكَ اَنتَ الوَھَّاب

اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ فرما۔اس
کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا اور ہمیں اپنی جناب
سے رحمت نصیب فرما، بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔آمین۔

اللھم آمین

آپ سب کی دعاؤں کا محتاج

العبد
منور احمد خورشید
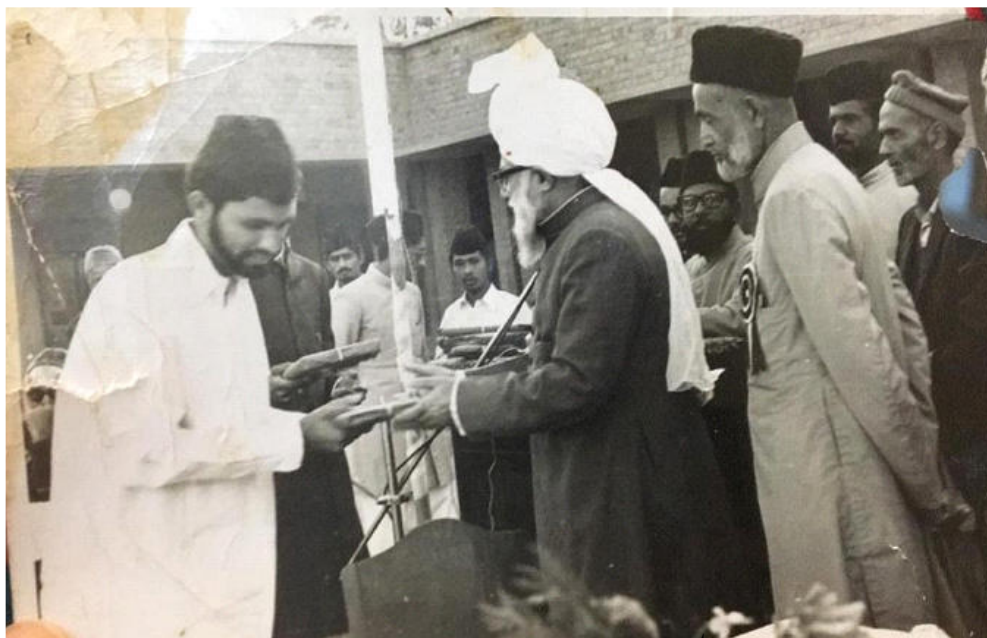
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے انعام کا شرف حاصل کرتے ہوئے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ساتھ خوشکن لمحات میں ایک یادگاری تصویر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے اظہار عقیدت ۔ دست مبارک کو بوسہ دیتے ہوئے
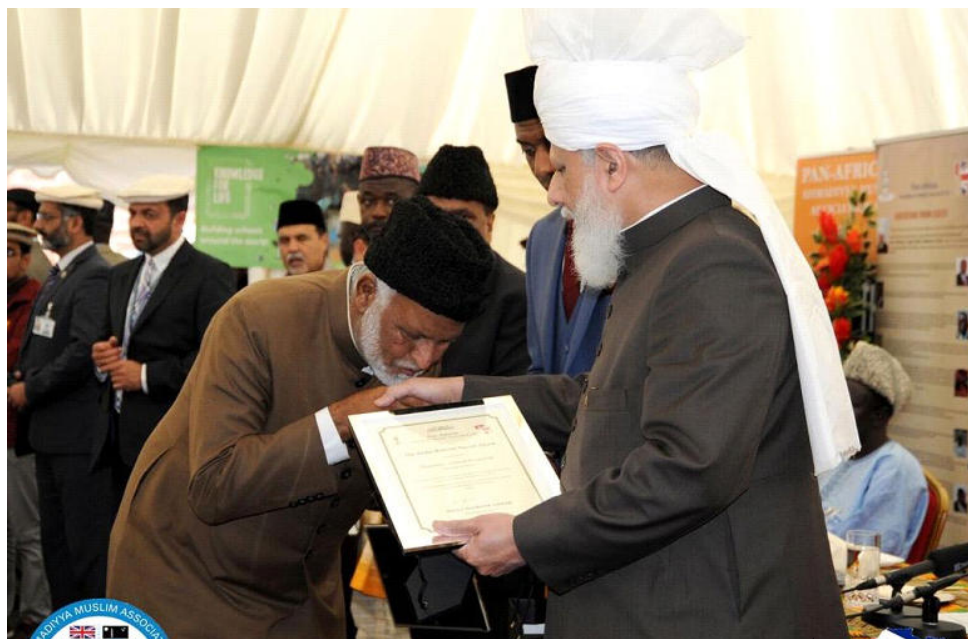
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دست مبارک سے ’’عبدالرحیم‘‘ ایوارڈ لیتے ہوئے ۔
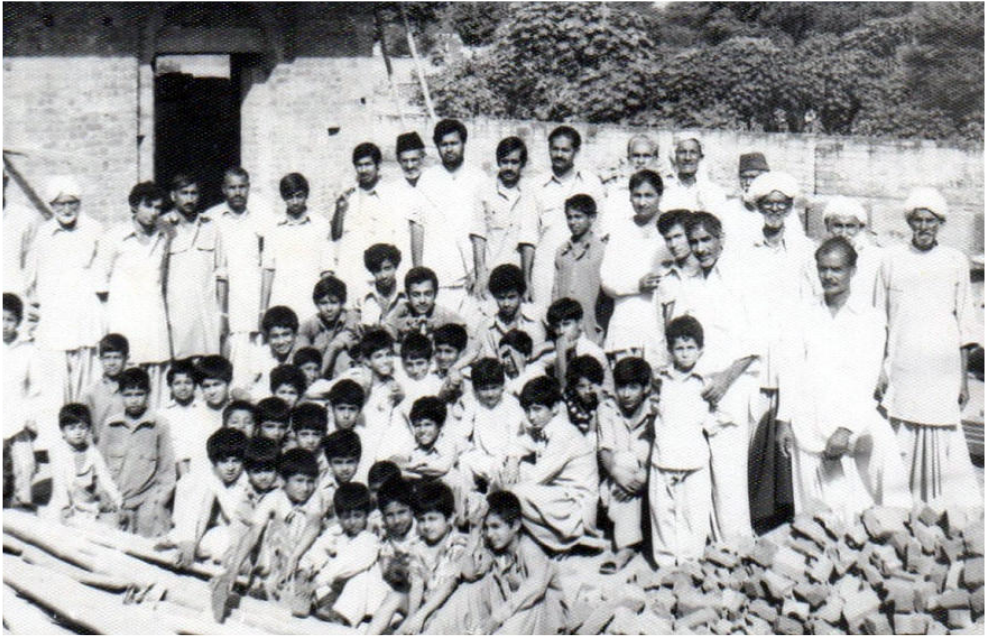
حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحبؓ کے ساتھ افراد جماعت احمدیہ فتحپور

جماعت احمدیہ فتحپور، حال جرمنی
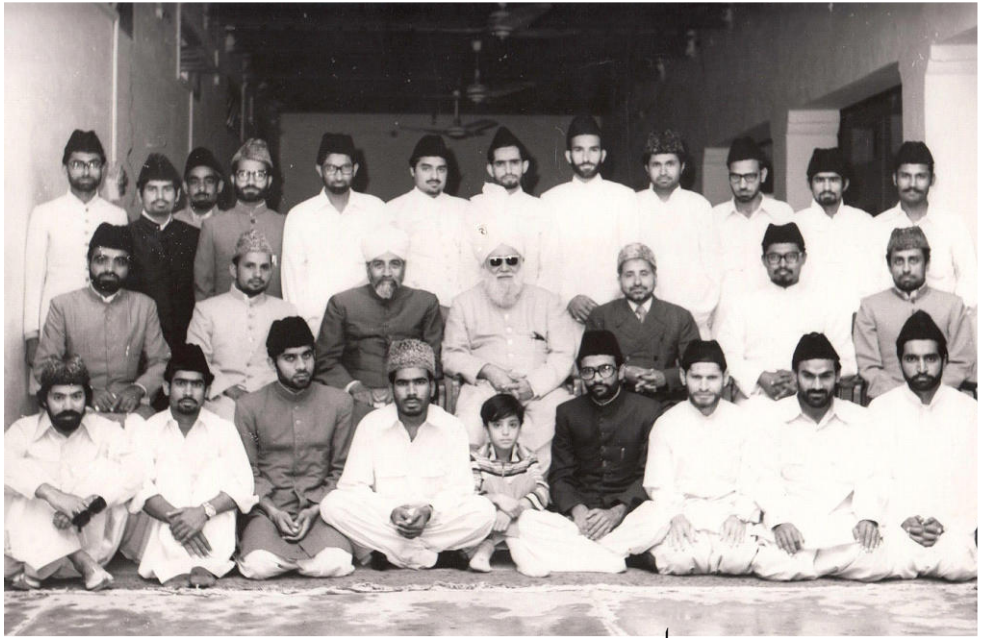
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ جامعہ احمدیہ کے کچھ طلبہ

مکرم میر داؤد احمد صاحب کے ہمراہ جامعہ احمدیہ کے طلبہ پکنک پر جانے سے قبل

مکرم چوہدری مجید احمد صاحب ایکسیئن کے تبادلہ کے موقع پر احباب جماعت میانوالی کی یادگاری تصویر

حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے ہمراہ ایک شادی کی تقریب میں خاکسار

رفقاء مربیان کرام جلسہ سالانہ انگلستان کے موقع پر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ ایک سینیگالی بچے کو پیار کرتے ہوئے۔
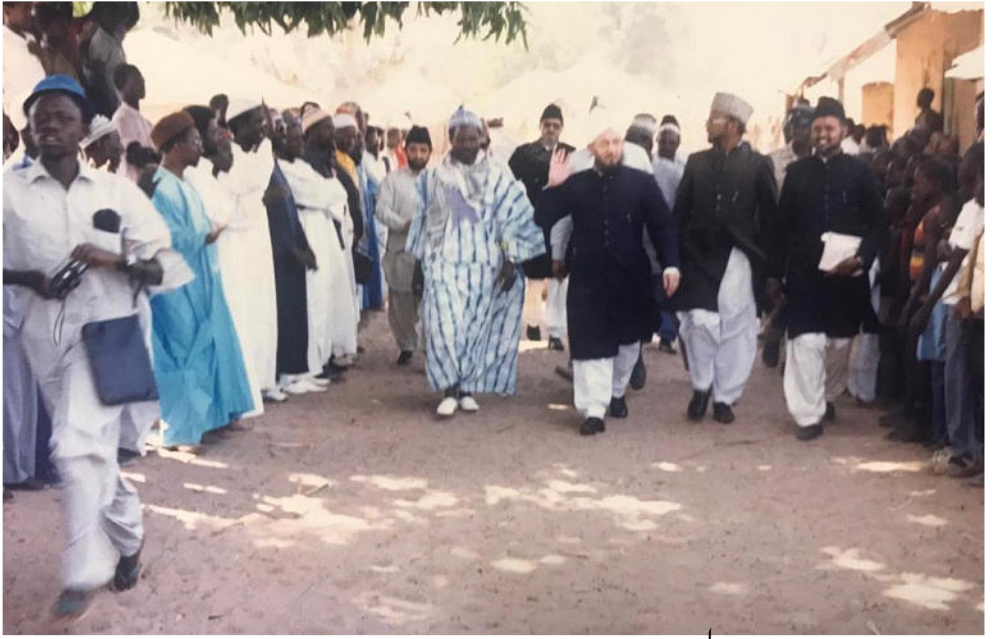
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ مسجد احمدیہ صابا گیمبیا کے افتتاح کے موقع پر

گیمبیا جماعت میں خدمت دین کی توفیق پانے والے چند احباب کرام
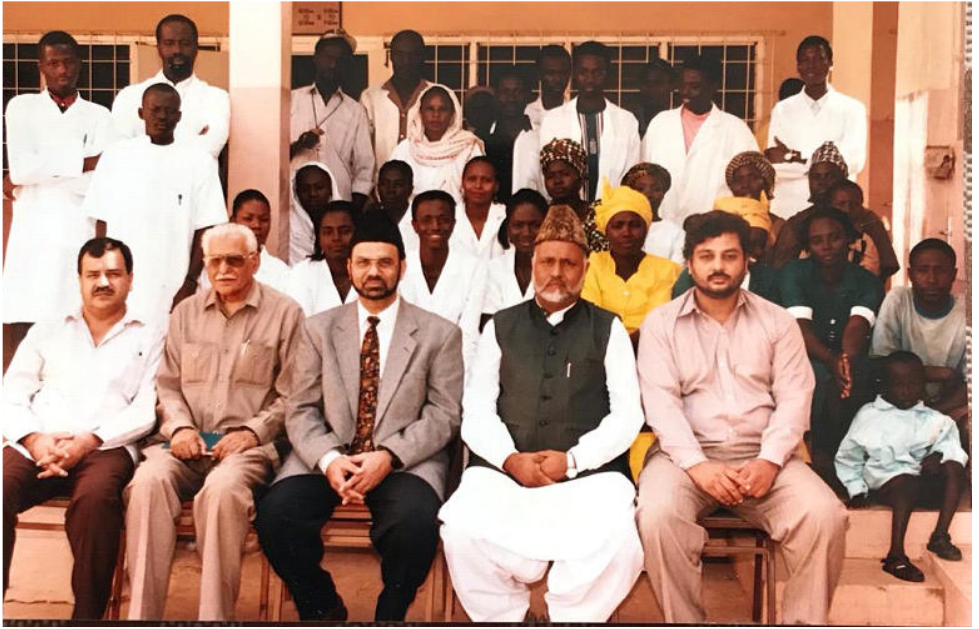
مکرم منیر الدین شمس صاحب بطور مرکزی نمائندہ، دورہ گیمبیا میں احمدیہ ہسپتال کے سٹاف کے ساتھ

تبلیغی میٹنگ ۔ پسی سینیگال

جلسہ سالانہ انگلستان 1995ء کے موقع پر ممبرز آف پارلیمنٹ سینیگال کے ہمراہ

جلسہ سالانہ جرمنی ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی موجودگی میں خاکسار معزز مہمان کی تقریر کا ترجمہ کرتے ہوئے

جلسہ سالانہ جرمنی میں ممبران اسمبلی سینیگال میئر آف ہائیڈل برگ کے ہمراہ

کیپ ورڈ، دورہ کے موقع پر احباب جماعت کے ساتھ

احباب جماعت لزین، پرتگال میں

احباب جماعت احمدیہ نماز سینٹر بارسلونا میں

ویلنسیا سپین میں ایک تبلیغی میٹنگ کے دوران

انگلستان میں سینیگال کے سفیر کے ہمراہ، مرید فرقہ کے سالانہ اجتماع پر جماعتی وفد کے ساتھ

بیت احسان میں مربیان کرام انگلستان کے ساتھ

جرمنی میں میرے کچھ عزیزان ایک خاندانی تقریب کے موقع پر

جماعت احمدیہ فتحپور حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب رضی اللہ کے ساتھ
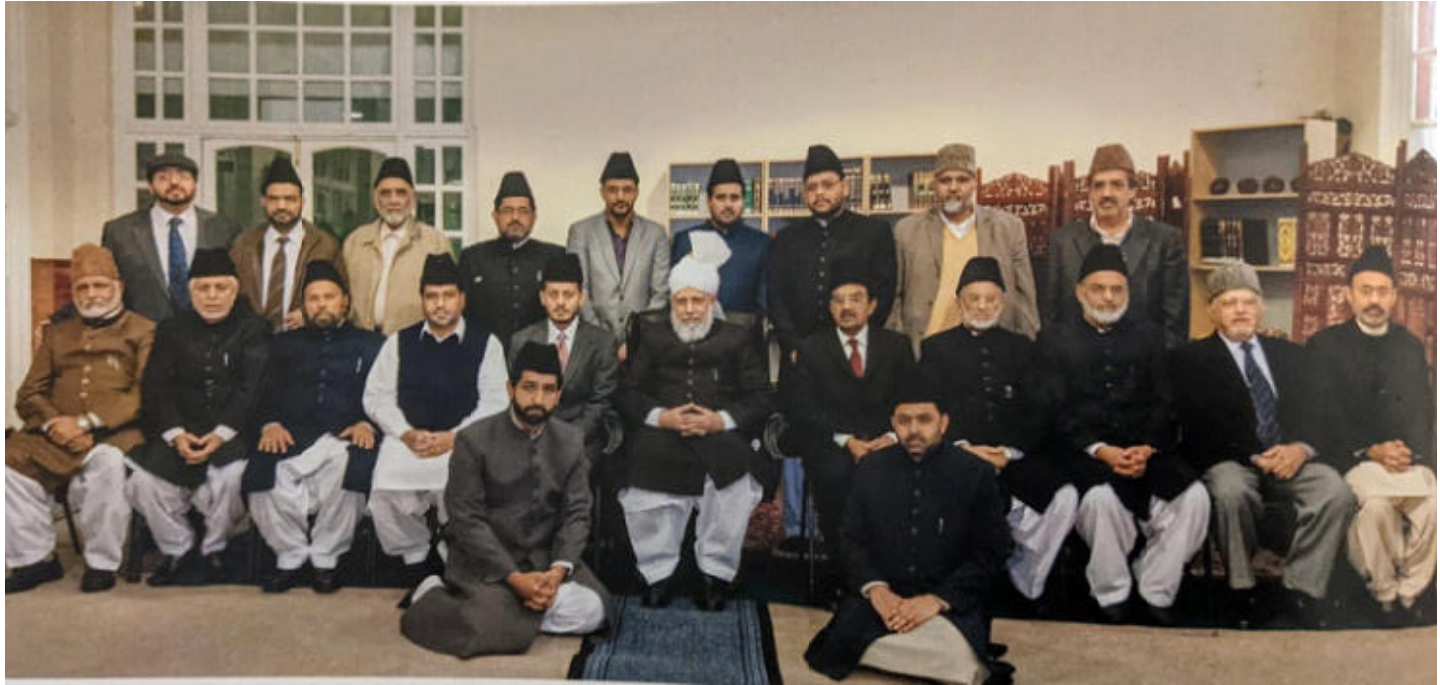
حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ہمراہ اساتذہ جامعہ احمدیہ انگلستان
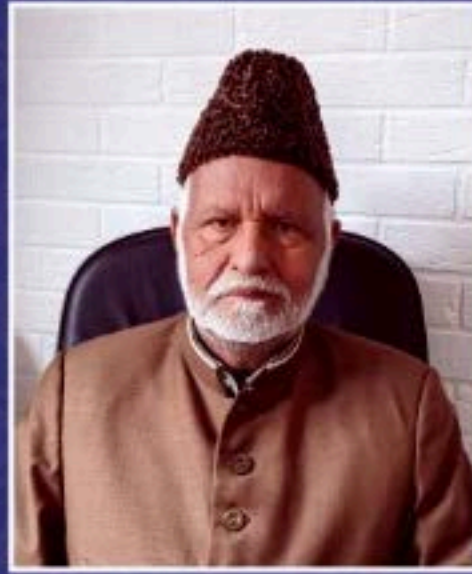
پیدائش 1950ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مڈل سکول فتحپور ضلع گجرات اور میٹرک مسلم ہائی سکول گجرات سے پاس کی۔ اس کے بعد 1975ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان میں جن مقامات پر بطور مربی سلسلہ خدمت کی توفیق ملی ان میں قلعہ کالروالا ضلع سیالکوٹ، کھاریاں ضلع گجرات اور میانوالی شہر شامل ہیں۔

1983 میں گیمبیا بطور مبلغ آمد ہوئی اور مختلف مقامات پر بطور مشنری حسب توفیق کام کیا۔ دو سال کے لئے بطور ٹیچر ناصر احمدیہ سینیئر سیکنڈری ہائی سکول میں خدمت کی توفیق پائی۔ 1985ء میں سینیگال مشن کا نگران بنایا گیا۔ 1994ء میں گیمبیا، سینیگال، گنی بساؤ، موریتانیہ اور کیپ ورڈ کا امیر مقرر کیا گیا۔ 1997ء میں یہ امارت تین امارتوں میں تقسیم ہو گئی۔ خاکسار کو سینیگال، کیپ ورڈ اور موریتانیہ کی قیادت سونپی گئی۔

2005 میں بیماری کے باعث حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر لندن آگیا اور لندن میں رہ کر سینیگال کے لئے خدمت کی توفیق پائی۔ یہ سلسلہ 2012 تک چلتا رہا۔

2008-2012 تک جامعہ احمدیہ انگلستان میں بطور استاد خدمت کی سعادت ملی۔ الحمدللہ۔

Yadon Ke Dreeche

Munawwar Ahmad Khursheed - U.K